تفسیر رضی

جزء هفتم

جزو ہفتم (۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ۔

"اور تو دیکھتا ہے کہ جب یہ لوگ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو ہمارے رسولؐ پر نازل کیا گیا ہے تو ان کی آنکھوں سے بے ساختہ (چھلک کر) آنسو جاری ہو جاتا ہے کیونکہ انھوں نے (امر) حق کو پہچان لیا ہے (اور) عرض کرتے ہیں کہ اے میرے پالنے والے ہم تو ایمان لا چکے تو (رسولؐ) کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی لکھ رکھ۔"

مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں نجاشی بادشاہ حبشہ اور اوس کے اصحاب مراد ہیں۔ تفصیل واقعۂ ہجرت حبشہ کی یہ ہے کہ جب کفار قریش کی ایذا رسانی سے تنگ ہو کر آنحضرت صلعم نے ستر اہل اسلام کو جعفر طیار کے ساتھ ملک حبشہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور وہ لوگ وہاں پہونچکر امن پا گئے۔ تو کفار نے بظلی کدو کاوش میں کمی نہیں کی اور ایک وفد مع تحائف وہدایا کے نجاشی کے پاس روانہ کیا کہ وہ اہل اسلام کو اپنے ملک سے نکال کر مکہ کی طرف روانہ کر دے۔ جب یہ وفد دربار میں حاضر ہوا تو اور تحائف پیشکش کرنے کے بعد اپنے مدعا کو بیان کیا تو نجاشی نے جعفر طیار سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ بادشاہ ان سے دریافت کرے کہ ہم ان کے غلام ہیں یا قرضدار ہیں یا کسی کا خون کر کے آئے ہیں۔ آخر ان کا کونسا مطالبہ ہمارے ذمے ہے جس کو پورا کرانا چاہتے ہیں۔؟ جب بادشاہ نے اون کفار سے سوال کیا تو رئیس وفد عمرو عاص نے کہا کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ اصل جرم یہ ہے کہ ان لوگوں نے نیا دین بنایا ہے اور ہمارے خداؤں کو برا کہتے ہیں اور ہماری جماعتوں میں نااتفاقی پیدا کر رہے ہیں۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا کہ خدا نے ہم میں ایک رسول کو مبعوث کیا ہے جو شرک و ظلم خونریزی

و بدکاری سے منع کرتا ہے عدل و احسان و صلہ رحم و نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ ہم نے اسی کے دین کو قبول کر لیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہی احکام حضرت عیسیٰ نے بھی دیئے تھے۔ پھر حکم دیا کہ جو کتاب رسول عربی پر نازل ہوئی ہے اس کا کوئی حصہ یاد ہو تو سناؤ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی جب اس آیت ہزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جنیاً تک پہنچے تو بادشاہ نہایت متاثر ہوا اور بہت رویا۔ اور دین اسلام کی حقیقت کی شہادت دی۔ جب عمرو عاص نے اپنا مطالبہ پیش کیا تو بادشاہ نے اوس کو ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ اگر پھر کوئی بات ان کی بابت کہی تو جان کی خیر نہ ہوگی۔ غرض یہ وفد کفار ناکام واپس آیا اور اہل اسلام عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرائے گئے۔ اسی قصہ کی طرف ان آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

”اے ایماندارو! جو پاک چیزیں خدا نے تمہارے واسطے حلال کر دی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو۔ کیونکہ خدا حد سے بڑھ جانے والوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔“

مروی ہے کہ ایکدن آنحضرتؐ نے عثمان بن مظعون کے گھر میں دنیا کی مذمت اور آخرت کے پر خطر حالات نہایت موثر الفاظ میں اصحاب کے سامنے بیان کئے تو کچھ لوگوں نے یہ عہد کر لیا کہ آئندہ تمام لذات دنیا کو ترک کر دیں گے اور ہمیشہ صائم النہار و قائم اللیل رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ غرض ان لوگوں نے کامل رہبانیت اختیار کر لینے کا عزم کر لیا۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کو معلوم ہوئی تو فرمایا کہ میں نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ رہبانیت اختیار کر لو۔ یہ طریقہ میرے دین میں داخل نہیں ہے۔ تم کو میری پیروی کرنی چاہئے دیکھو میں روزے کبھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا۔ راتوں کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ پس تم کو اسی طرح معتدل روش اختیار کرنی چاہئے۔ اس وقت یہ آیت خدا نے نازل کی۔

اس میں شک نہیں کہ رہبانیت و ترک لذات دنیا کا مقصود اگر محض خیر ہو تو اوس کے اعتبار سے ممدوح ضرور ہے لیکن اوس میں انقطاع نسل اور دیگر متعدد مفاسد عظیمہ ایسے لازم آتے ہیں جو منشائے فطرت کے بالکل خلاف ہیں۔ اور چونکہ نوع انسان فطرۃً مدنی الطبع واقع ہوئی ہے۔ لہذا تمام افراد کے لئے ممکن العمل بھی نہیں۔ اگر سب کے سب رہبانیت کاملہ اختیار کر لیں تو اس نوع کا وجود صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہ سکتا۔ علاوہ اس کے نفس انسانی کا کمال یہ ہے کہ دنیا کے تعلقات کو باقی رکھتے ہوئے تقویٰ و عدالت کا ملکہ حاصل کرے ایسا نہ ہو کہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر کر لذات دنیا میں شب و روز مستغرق رہے اور یہ صورت بوجہ دشوار تر ہونے کے رہبانیت کے بہ نسبت زیادہ قابل مدح و استحسان ہے ہم نے اس بحث کو رسالہ سیاست علویہ میں نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے اہل ذوق اس پر نظر فرمائیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ۔

”خدا تمہارے بیکار (بیکار قسموں کے کھانے) پر تو (گرفت) نہ کرے گا مگر بالقصد پکی قسم کھانے (اور اس کے خلاف کرنے) پر تو ضرور تمہاری لے دے کرے گا۔“

لغو قسم سے مراد یہ ہے کہ آدمی ہر بات پر بے قصد و ارادہ واللہ باللہ کہے جیسا اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر بات پر قسمیں کھاتے رہتے ہیں۔ جن سے کوئی خاص مقصود نہیں ہوتا۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔

شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ تمہارے درمیان شراب نوشی اور قمار بازی سے بغض و عداوت پیدا کر دے۔

اس آیت میں شراب اور قمار کے حرام کیئے جانے کی دو علتیں بھی بیان کر دی ہیں۔ ایک تو نقصان دنیوی ہے اور وہ یہ کہ شرابخواری و قمار بازی باعث فساد و عداوت ہوتی ہے اور رشتۂ الفت و محبت کو قطع کر دیتی ہے جس سے تمدن و معاشرت میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور دوسرا نقصان دینی ہے اور وہ یہ کہ شراب کے نشہ اور قمار بازی کی دھن میں انسان کو خدا کی یاد باقی نہیں رہتی اور اس سے بڑی اور کوئی خرابی متصور نہیں ہو سکتی۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

”خدا نے کعبہ کو جو (اس کا) محترم گھر ہے اور حرمت دار مہینوں کو اور قربانی کو اور اس جانور کو جس کے گلے میں (قربانی کے واسطے) پٹے ڈال دیئے گئے ہوں لوگوں کے امن قائم رکھنے کا سبب قرار دیا۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ خدا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یقیناً (سب) جانتا ہے اور یہ بھی (سمجھ لو) کہ بیشک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔“

(۱) تفسیر مجمع البیان میں صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے۔

من ان جعل البیت یرید شیئاً فی الدنیا والآخرة اصابہ (جو شخص اس گھر (خانہ کعبہ) میں دنیا اور آخرت کی کسی چیز کا ارادہ کرکے آئے گا وہ چیز اس کو مل جائے گی)

(۲) "ذالک لتعلموا الخ" فرمانے سے مقصود یہ ہے کہ جب تم ان حکم و مصالح پر اطلاع ہو جائے گی جو بنائے کعبہ اور مناسک حج میں مضمر ہیں تو جان لوگے کہ خدا کے تمام کام علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْہَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْہَا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں (رسولؐ سے) نہ پوچھا کرو کہ اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو تمہیں بری معلوم ہوں اور اگر ان کے بارے میں قرآن نازل ہونے کے وقت پوچھ بیٹھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (مگر تمکو برا لگے گا جو سوالات تم کر چکے ہو) خدا نے ان سے درگذر کی اور خدا بڑا بخشنے والا بردبار ہے"

لوگ آنحضرت صلعم سے بے ضرورت سوالات بکثرت کیا کرتے تھے، کوئی اپنی گمشدہ اونٹنی کی بابت سوال کرتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کوئی اپنی زوجہ کے بارے پوچھتا ہے کہ وہ اس وقت گھر میں کیا کر رہی ہے۔ غرض اس طرح کے جاہلانہ سوالات کی کثرت سے ایک دن آپ نے تنگدل اور غضبناک ہو کر فرمایا کہ اس وقت جتنی باتیں پوچھنی ہوں پوچھ لو میں سب کے جواب دینے کو تیار ہوں۔ اس پر ایک شخص نے جس کے نسب میں خلل تھا یہ پوچھا کہ اس شخص کا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کی جانب تو منسوب ہے وہ تیرا باپ نہیں ہے بلکہ تو ایک دوسرے شخص حذافہ بن قیس کا بیٹا ہے۔ پھر دوسرے شخص نے سوال کیا کہ اس شخص کا باپ کہاں ہے فرمایا جہنم میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ بخدا اس وقت جنت اور جہنم دونوں میری نگاہوں کے سامنے ہیں اور دیکھ رہا ہوں کہ کس کا مسکن کہاں ہے اور تم میں سے کون جنتی ہوگا اور کون جہنمی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْہَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ

"اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو عرض کرنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہنا کہ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں"

یہاں وحی سے الہام اور القائے فی القلب مراد ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:-

(۱) واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (اور ہم نے ہی جناب موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جناب موسیٰ کو دودھ پلاؤ)

(۲) واوحی ربک الی النحل۔ (تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی)

ان آیات سے مقصود جناب عیسیٰ کی برأت کا اظہار اور نصاریٰ کی توبیخ و ملامت ہے۔

(سورۂ انعام)

ہُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ

"وہ تو وہی خدا ہے جس نے تمکو مٹی سے پیدا کیا پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت مقرر کیا اور (اگرچہ تمکو معلوم نہیں مگر اسکے نزدیک (قیامت کا) ایک وقت مقرر ہے پھر (بھی) تم شک کرتے ہو"

(۱) جناب آدم کی خلقت مٹی سے ہوئی تھی۔ اس لئے تمام آدمیوں کی خلقت اسی طرف راجع ہوتی ہے اور اس آیت میں اسی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اور جہاں یہ فرمایا ہے کہ انسان نطفے سے خلق کیا گیا ہے وہاں جناب آدم سے شروع ہونے والا سلسلہ توالد و تناسل ملحوظ ہے لہذا دونوں آیتوں کے بیان میں کوئی اختلاف و تناقض نہیں۔ نیز ہر انسان کی خلقت جس مادہ سے ہوئی اس کی ابتدا مٹی ہی ہو تو ہے کیونکہ تمام حیواناتی و نباتی غذاؤں کا مادہ اصلیہ مٹی ہے۔ لہذا انسانی خلقت کو کبھی نطفے اور کبھی مٹی کی طرف نسبت دینے میں اختلاف بیان کا شائبہ نہیں۔

(۲) اجل مسمی کی بحث آئندہ مفصل طور سے درج کی جائے گی۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ

"حالانکہ ہم فرشتہ بھیجدیتے تب تو ان کا کام ہی تمام ہو جاتا اور پھر انہیں مہلت بھی نہ دی جاتی"

(۱) مقصود آیت یہ ہے کہ اگر فرشتہ اس طرح نازل کیا جاتا کہ وہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہتا اور لوگ اس کو دیکھ سکتے تو یہ خدا کی کھلی ہوئی نشانی ہوتی۔ جس کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لاتے تو عذاب نازل کر دینے میں کوئی حالت انتظار باقی نہ رہتی فوراً صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیئے جاتے۔ یہی طریقہ عالم میں ہمیشہ جاری رہا ہے کہ جب خداوند عالم کی آیت باہرہ کے ظاہر ہو جانے کے بعد لوگ کفر سے باز نہ آتے تو فوراً ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔ اور اسی بات کو جناب عیسیٰ علیہ السلام سے بھی مائدہ نازل کرنے کے وقت بھی فرمایا تھا کہ میں تمہاری استدعا پر نازل تو کرتا ہوں مگر یہ سمجھ لینا کہ ایسی کھلی ہوئی نشانی کے ظہور کے بعد جو شخص ایمان نہ لائے گا تو میں اس پر وہ عذاب نازل کروں گا جو کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا۔ اور سبب اس کا یہی ہے کہ خدا نے مدار تکلیف عقل کو بنایا ہے اور چونکہ ضعیف عقول نبی کی نبوت کا اقرار بغیر خارجی امداد کے نہیں کر سکتی تھیں اس لئے ایسے معجزات کو بھی ظاہر فرمایا جو اس کی صحت نبوت پر دلالت کرتے تھے گو ان کے سمجھنے کے لئے فی الجملہ فکر و غور

سکے۔ لیکن بعض معجزات ایسے تھے جن کی دلالت کی احتیاج باقی تھی۔ لہذا کافی مدت دیدی کہ ہر شخص اطمینان کے ساتھ فکر و غور کر سکے۔ لیکن بعض معجزات ایسے تھے جن کی دلالت بالکل ظاہر تھی۔ اس کے سمجھنے کے لئے فکر و تامل کی حاجت مطلق نہ تھی لہذا اس صورت میں اتمام حجت بحد کمال ہو جانے کے سبب عذاب نازل کرنے میں انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۲) فرشتہ کو نازل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر وہ نازل کیا جاتا تو لامحالہ انسانی صورت و لباس ہی میں ظاہر کیا جاتا کیونکہ اس کی اصلی ہیئت و صورت اس قابل نہ تھی کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے۔ پھر کون نگر سمجھتے کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ پس جو شک و شبہہ نبی کی بابت لوگوں کو ہوتا وہی اس فرشتہ کی بابت بھی ہوتا۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً "(اے رسولؐ) تم پوچھو کہ گواہی میں سب سے بڑھ کر کون چیز ہے"

اس آیت کا مطلب معصومین کے ان کلمات سے ذہن نشین ہو سکتا ہے۔

(۱) ان اللہ اجل واکرم ان یعرف بخلقہ بل الخلق یعرفون باللہ۔ (۱) "بیشک اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے ذریعہ پہچانا جائے بلکہ مخلوق خدا۔ خدا کے ذریعہ پہچانی جاتی ہے"

(۲) کیف یستدل علیک بما ھو فی وجودہ مفتقر الیک ایکون لغیرک من الظھور ما لیس لک حتی یکون ھو المظھر لک۔ (۲) (اے معبود!) وہ چیز تیرے لئے استدلال کیسے بن سکتی ہے جو اپنے وجود میں خود تیری محتاج ہے۔ کیا کسی اور کیلئے وہ ظہور و وضوح ہے

(۳) یا من دل علی ذاتہ بذاتہ۔ "اے وہ ذات جو اپنے آپ اپنی ذات پر اپنی ذات سے دلالت کرتا ہے۔"

وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً "(ان کی ہٹ دھرمی اس حد کو پہونچی ہے کہ گویا) ہم نے خود ان کے دلوں پر پردے ڈالدیئے ہیں"

آیہ "ختم اللہ علی قلوبھم" کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسکے مطالعہ سے اس آیت کا مطلب واضح ہو سکتا ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰي فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

"اگرچہ ان لوگوں کی روگردانی تم پر شاق ضرور ہے (لیکن) اگر تمہارا بس چلے تو زمین کے اندر کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور انہیں کوئی معجزہ دکھاؤ (تو یہ بھی کر دیکھو) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو راہ راست پر اکٹھا کر دیتا۔ (اگر وہ تو امتحان کرتا ہے) پس (دیکھو) تم ہرگز جاہلوں میں (شامل) نہ ہونا۔

ایک مرتبہ کفار قریش جناب سرور کائنات صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر انبیائے سابقین کی طرح آپ کوئی آیۂ الٰہیہ ظاہر کردیں تو ہم ایمان قبول کرلیں گے۔ لیکن بوجہ ان مصالح کے جو آیہ "لو انزلنا ملکا لقضی الامر" اور دیگر آیات میں بیان کر دی گئی ہیں۔ ان کی شرط پوری نہیں کی گئی۔ لہذا ان لوگوں نے قبول ایمان سے انکار کیا اور وہ واپس چلے گئے۔ چونکہ آنحضرت صلعم بمقتضائے رافت و رحمت شب و روز ان کی ہدایت و ارشاد کی فکر میں افسردہ دل رہتے تھے۔ لہذا ان کا صریح انکار و اعراض قلب مبارک پر نہایت شاق گذرا پس خدا نے آپ کی تسلی و تسکین کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اور پر زور الفاظ میں فرمایا کہ اے رسولؐ! تم کو ان کی روگردانی کا تاسف نہ چاہئے۔ آیات کا اظہار ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہتے تو ان کو کفر و عصیان کی راہ سے مجبوراً ہٹا کر منزل ہدایت پر مجتمع کر دیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا پس جبکہ ہم نے خود ان کو مختار کر رکھا ہے کہ اپنی عقل و قوت تمیز سے کام لیکر جس راہ پر چاہیں چلیں تو ان کے کفر و عصیان سے تم کیوں محزون و تنگدل ہوتے ہو؟۔ اس مطلب کو دیگر آیات میں بھی صاف طور سے بیان فرمایا ہے۔ آیت کا محصل یہی ہے۔ رہا اس کا اسلوب بیان جس سے فی الجملہ درشتی کا اظہار ہوتا ہے تو اس سے یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ اظہار آیات کا اختیار خدا کو ہے۔ اس لئے عتاب آمیز الفاظ میں تنبیہ کی گئی۔ کیونکہ ہم نے اس سے پہلے معصوم کے قول سے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اکثر آیات قرآن کا نزول عرب کی مشہور مثل "ایاک اعنی اسمعی یا جارہ" کے مطابق ہوا ہے یعنی بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے کرکے دوسروں کو بتانا مقصود تھا۔ یہی اسلوب بیان اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ اگر خود آنحضرت صلعم کا تصنیف کردہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا کیونکہ جو شخص جھوٹے دعوے اور جعلسازی کے ذریعہ دنیا میں سر بلند ہونا چاہے گا وہ کبھی ایسی باتیں اپنی زبان سے نہیں کہے گا۔ جس سے اس کے عجز کا اظہار ہوتا ہو۔ اس کا کلام تعلی و ترفع کی باتوں سے خالی کبھی نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہہ کا ازالہ

جو لوگ کلام الٰہی کے معانی اور اسلوب بیان کے اسرار کے سمجھنے کی قابلیت مطلق نہیں رکھتے ان کو آیۂ زیر بحث اور بعض دیگر آیات کے دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب معجزہ نبی نہ تھے۔ آپ میں مثل انبیائے سابقین خوارق عادات کے اظہار کی قدرت نہ تھی اور آپ اس کے مدعی بھی نہ تھے۔ لہذا اس مقام پر ان امور کی تنقیح و توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ طلب اظہار آیات الٰہیہ سے کفار کا مقصد کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ کی طرف سے کس قسم کے آیت کے

اظہار سے انکار کیا گیا تھا - اور آپ سے کبھی معجزہ کا ظہور ہوا تھا یا نہیں؟ یہ تمام باتیں علیحدہ علیحدہ مباحث میں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مبحث اول:- قرآن مجید میں لفظ "آیۃ" صرف معجزہ کے معنی ہی مستعمل نہیں ہوئی ہے بلکہ اکثر مواقع میں اس سے خوفناک اور تباہ کن امر بھی مراد لیا گیا ہے - جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) وآتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ فظلموا بہا وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔ "اور ہم نے قوم ثمود کو (معجزہ سے) اونٹنی عطا کی جو (ہماری قدرت کی) دکھلانے والی تھی تو ان لوگوں نے اس پر ظلم کیا (یہاں تک کہ مار ڈالا) اور ہم تو معجزہ صرف ڈرانے کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں"۔

(۲) ان نشاء ننزل علیہم من السماء آیۃ فظلت اعناقہم لہا خاضعین۔ "اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں پر آسمانوں سے کوئی ایسا معجزہ نازل کریں کہ ان لوگوں کی گردنیں اسکے سامنے جھک جائیں"۔

اس بات کو معلوم کر لینے کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ کفار آنحضرت صلعم سے اظہار آیت کا مطالبہ کس معنی سے کرتے تھے اور اس کے لئے مندرجہ ذیل آیات قرآن پر نظر کرنی چاہیے۔

(۱) بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ہو شاعر فلیاتنا بآیۃ کما ارسل الاولون ما آمنت قبلہم من قریۃ اہلکناہا افہم یؤمنون۔

اس کلام سے معلوم ہوا کہ کفار کا مقصود "آیۃ" سے عذاب مہلک تھا در اصل اون کے کلام کا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتیں خواب پریشاں ہیں بلکہ عمداً افترا پردازی کرتے ہیں - لہذا ہم اون پر ایمان نہ لائیں گے اون کو چاہیے کہ اگلے انبیاء کی طرح کوئی خوفناک نشانی ظاہر کریں اس وقت ہم ایمان قبول کر لیں گے۔ اس جاہلانہ کلام کا جواب خداوند عالم کی جانب سے یہ دیا گیا کہ جن لوگوں پر پہلے امور مہلکہ نازل کئے گئے اون کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا تو یہ لوگ عذاب آ جانے کے بعد ایمان لانے کا موقع کیونکر پا سکتے ہیں۔

(۲) خلق الانسان من عجل ساوریکم آیاتی فلا تستعجلون۔ "آدمی تو بڑا جلدی باز پیدا کیا گیا ہے میں عنقریب ہی تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاؤں گا جلد بازی نہ کرو"۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ کفار جن آیات کے اظہار کا مطالبہ کر رہے تھے اون سے امور مہلکہ مقصود تھیں - اور ان کی یہ طلب مندرجہ ذیل آیتوں میں بالتصریح مذکور ہے۔

(۱) یستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءہم العذاب۔ تم سے لوگ عذاب کے نازل ہونے کی جلدی کرتے ہیں - اور اگر (عذاب کا) وقت معین نہ ہوتا تو یقیناً ان کے پاس اب تک عذاب آ جاتا۔

(۲) قل أرأیتم ان اتاکم عذابہ بیاتا او نہارا ماذا یستعجل منہ المجرمون اثم اذا ما وقع آمنتم بہ آلآن وقد کنتم بہ تستعجلون۔ (اے رسول) تم کہدو کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر اس کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آ جائے تو (تم کیا کرو گے) پھر گنہگار لوگ (آخر) کاہے کی جلدی مچا رہے ہیں۔

(۳) افبعذابنا یستعجلون فاذا نزل بساحتہم فساء صباح المنذرین۔ تو یہ لوگ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں جب عذاب ان کی انگنائی میں اتر پڑے گا تو جو لوگ ڈرائے جا چکے ہیں ان کی کیا بری صبح ہو گی۔

(۴) واذ قالوا اللہم ان کان ہذا ہو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم۔ (اے رسول اس وقت کو یاد کرو) جب ان کافروں نے دعائیں مانگی تھیں کہ خداوندا اگر یہ (دین اسلام) حق ہے اور تیرے پاس سے آیا ہے) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا - یا کوئی اور دردناک عذاب ہی نازل کر - حالانکہ جب تک تم (رسول) ان کے درمیان موجود ہو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا۔

(۵) او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا۔ یا جیسا تم گمان رکھتے تھے ہم پر آسمان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو۔

(۶) لئن اخرنا عنہم العذاب الی امۃ معدودۃ لیقولن ما یحبسہ۔ اور اگر ہم گنتی کے چند روزوں تک ان پر عذاب نازل کرنے میں دیر بھی کر دیں تو یہ لوگ (اپنی شرارت سے) کہیں گے کہ (ہائیں) عذاب الٰہی کو کون سی چیز روک رہی ہے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ کفار نزول عذاب کا مطالبہ کرتے تھے، اور اس بارے میں ان کی جہالت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ دین اسلام کے حق ہونے کی صورت میں اون کی خواہش یہی تھی کہ مورد عذاب بن جائیں - مگر اپنے دین آبائی کو ترک نہ کریں - اور اس کے معلوم کر لینے کے بعد ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم جن آیات کے اظہار سے انکار فرماتے تھے اور قرآن میں جس مطالبہ کے مسترد کر دیئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے - اون سے عذاب اور خوفناک امور مراد ہیں - چنانچہ اس آیت میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔

قل انی علی بینۃ من ربی وکذبتم بہ ما عندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ یقص الحق وہو خیر الفاصلین قل لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر بینی وبینکم۔ تم کہدو کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا تو تم جس کی جلدی کرتے ہو (عذاب) وہ میرے پاس (اختیار میں) تو ہے نہیں - حکومت تو صرف خدا ہی کے لئے ہے

وہ توحق بیان کرتا ہے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے
(ان لوگوں سے) کہدو کہ جس (عذاب) کی جلدی کرتے ہو اگر وہ میرے پاس
(اختیار میں) ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب ہی ہو چکا ہوتا۔

اور ظاہر ہے کہ نزول عذاب کا پیغمبر اسلام کے اختیار میں نہ ہونا آپ کی نبوت میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو تو کسی نبی کی نبوت ثابت نہ ہو سکے گی کیونکہ اس کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ یہ اختیار فقط خداوند عالم کو حاصل ہے جس قوم پر اور جس حالت میں اس کی مصلحت مقتضی ہوتی ہے عذاب نازل کرتا ہے۔ اس بارے میں کسی مطالبہ کا پورا کرنا عقلاً لازم نہیں۔ اور نہ وہ صحت نبوت کی شرط قرار پا سکتا۔

(مبحث دوم) جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزنمائی کا ذکر قرآن میں بکثرت موجود ہے لہذا اس سے انکار کرنا محض قصور نظر کا نتیجہ ہے۔

جن آیات میں حضرتؐ کا معجزات کے ساتھ مبعوث ہونا مذکور ہے ان میں سے چند آیتیں یہ ہیں۔

(۱) اقتربت الساعة وانشق القمر وان یروا آیة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر۔ — قیامت قریب آگئی، اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اگر (کفار) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا زبردست جادو ہے۔

اس آیت میں معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے (جس کی تفصیل آئندہ آئیگی) اور اس کے ساتھ ہی یہ کہا گیا ہے کہ کفار جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کو سحر بتاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ نے لوگوں کو معجزات بھی دکھائے تھے۔

(۲) کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات۔ — خدا ان لوگوں کی کس طرح ہدایت کر سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ اس کی شہادت دیتے تھے کہ (آپ) رسول برحق ہیں۔ اور ان لوگوں کو معجزات بھی دکھائے۔

(۳) فلما جاءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین۔ — جب ان لوگوں کو (رسول خدا نے) معجزات دکھائے تو کہنے لگے یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

بعض نافہم لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ ان آیات میں "بینات" سے قرآن کی آیتیں مراد ہیں۔ اور اس غلط فہمی کا سبب یہ ہوا کہ اکثر آیتوں میں خداوند عالم نے "آیات بینات" اور "آیاتنا بینات" فرمایا ہے۔ لہذا اس کی تصریح بھی لازم ہے کہ جہاں جہاں لفظ "بیّنات" تنہا مذکور ہے وہاں اس کے معنی دلائل و براہین کے ہیں۔ اور ان سے معجزات

مراد ہیں اور جس مقام پر یہ معنی مراد نہیں ہیں وہاں اپنے موصوف یعنی لفظ "آیات" کے ساتھ وارد کی گئی ہے۔

(۴) سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ — وہ خدا ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے چوگرد ہم نے ہر قسم کی برکت مہیا کر رکھی ہے تاکہ ہم اسکو اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھائیں اس میں شک نہیں کہ وہ سب کچھ دیکھتا اور سمجھتا ہے۔

(۵) ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ ما کذب الفؤاد ما رأیٰ الخ — پھر قریب ہوا اور آگے بڑھا تو کمان کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی قریب تب خدا نے اپنے بندے کی طرف جو وحی بھیجی سو بھیجی تو جو کچھ انھوں نے دیکھا ان کے دل نے جھوٹ نہ جانا۔ الخ

ان دونوں آیتوں میں دو خلاف عادت باتوں کا ذکر ہے ایک مکہ سے بیت المقدس تک نہایت قلیل وقت میں جانا اور مراجعت فرمانا۔ دوسرے قرب خداوندی میں جاکر آیات الٰہی کا نظارہ۔

(۶) وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ — (اے رسولؐ) جب تم نے کنکری ماری تو تم نے نہیں ماری بلکہ خدا نے کنکری ماری۔

جنگ بدر میں آپ نے چند سنگریزے دست مبارک سے اٹھا کر کفار کی طرف پھینکے اور وہ غبار بنکر ان کی آنکھوں میں پڑے جس سے سوائے ہزیمت کے ان کو کوئی چارہ نہ رہا۔ اسی واقعہ کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

(۷) جنگ خندق میں نہایت سخت آندھی چلی جس نے کفار کی فوج کو منتشر کر دیا۔ یہ واقعہ اس آیت میں مذکور ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمة اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا۔ — اے ایمان والو، اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام کی (جنگ خندق میں) جب کہ تم پر (کافروں کا) لشکر امنڈ کے آپڑا۔ پھر ہم نے ان (دشمنوں) کی طرف آندھی اور ایسی فوج بھیجی جس کو تم دیکھ نہیں رہے تھے۔

علاوہ ان کے قرآن خود نہایت روشن معجزہ ہے جو تا قیامت باقی رہنے والا ہے اور اس کی تحدی ہمیشہ اس کے معجز ہونے کا ثبوت دیتی رہے گی۔ لہذا معترضین کا یہ کہنا کہ آنحضرتؐ نے کبھی معجز نمائی کا دعویٰ نہیں کیا اور کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرمایا۔ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ

maablib.org

زمین میں چلنے پھرنے والا (حیوان) یا اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا پرندہ
ان کی بھی تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم میری مخلوق ہو اور گروہ در گروہ ہو اوسی طرح جتنے انواع حیوانات ہیں وہ بھی گروہ گروہ اور امت امت ہیں اور سب کی سب میری مخلوق اور میرے وجود و حکمت و قدرت و صنعت کی دلیلیں ہیں جس طرح تم خدا کی تسبیح و تحمید کرتے ہو اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط

پھر جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر (ڈھیل دینے کیلئے) ہر طرح کی (دنیاوی نعمتوں کے) دروازے کھول دیئے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔

اذا رأیت الله یعطی علی المعاصی فان ذلک استدراج منه ثم تلی هذه الآیة
جب تم دیکھو کہ اللہ گناہوں پر پردہ ڈال رہا ہے تو یہ سمجھو کہ اس (چشم پوشی سے) وہ ڈھیل دے رہا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

نیز جناب امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے۔

یا ابن آدم اذا رأیت ربک یتابع علیک نعمه فاحذره
اے بنی آدم جب تمہارا پروردگار تم پر متواتر اپنی نعمتیں انعام کرے تو اس سے ڈرو۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۵

(اے رسولؐ) ان سے کہدو کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (ایمان لانے پر دیدوں گا) اور نہ میں (براہ راست) غیب کے کل حالات کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس جو (خدا کی طرف سے) میرے پاس وحی کیجاتی ہے اسی کا پابند ہوں (ان سے) پوچھو تو کہ اندھا اور آنکھ والا برابر ہو سکتا ہے تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سوچتے ہو۔"

(۱) اس آیت میں عبودیت اور تواضع وانکسار کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور مجمل اوس کا یہ ہے کہ "اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہو میں اس بات کا دعوٰی نہیں کرتا کہ میں بغیر خدا کے عطا کئے ہوئے اس کے خزانوں کا مستقل مالک ہوں، یا بغیر تعلیم امور غیبیہ کو جانتا ہوں۔ میں تو صرف انھیں باتوں کو جانتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھے بتا دی جاتی ہیں۔ اور انھیں کی پیروی کرتا ہوں" پس اس آیت میں فقط اس بات کو ظاہر فرمایا ہے کہ مجھے خزائن الٰہیہ اور امور غیبیہ پر خود اقتدار کلی حاصل نہیں ہوا۔ ان امور میں اوس کے لطف و عنایت کا محتاج ہوں، اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ کو خداوند عالم نے اپنے خزانوں پر کوئی اقتدار عطا نہیں فرمایا اور امور غیبیہ پر بالکل مطلع نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال انھیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جو قرآن و احادیث سے بالکل بے خبر ہیں۔ اون کی تسکین قلب کے لئے چند اخبار غیب یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن کے واقع ہونے کی شہادت کتب تواریخ کے صفحات پر مل سکتی ہے۔

(۱) عن ابی سعید الخدری قال کنا جلوسا ننتظر رسول الله صلعم فخرج الینا قد انقطع شسع نعله فرمی بها الی علی فقال ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله فقال ابو بکر انا هو یا رسول الله فقال لا فقال عمر انا هو یا رسول الله فقال لا ولکن خاصف النعل۔ اخرجه احمد و نسائی و محی السنة البغوی و ابو حاتم و ابو یعلی و ابن حبان و ابو نعیم فی الحلیة و الدیلمی فی فردوس الاخبار و الحاکم قال صحیح علی شرط الصحیحین۔

"ابو سعید خدری سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلعم کا بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے، کہ آنحضرت ہماری طرف تشریف لائے اور آنحضرت کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا آپ نے اس کو علیؑ کو ٹانکنے کے لئے دیدیا۔ اس کے بعد فرمایا، بیشک تم میں ایک وہ شخص ہے جو تاویل قرآن پر اسی طرح قتال کرے گا جیسے میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے ابو بکر نے کہا یا رسول اللہؐ وہ میں ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں عمر نے کہا یا رسول اللہؐ وہ میں ہوں آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ جوتا ٹانکنے والا ہے۔ اس کو احمد نے اور نسائی نے اور محی السنة بغوی نے اور ابو حاتم نے اور ابو یعلی نے اور ابن حبان نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں اور حاکم نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شرط صحیحین پر صحیح ہے۔" ارجح المطالب ص ۴۴۱

(۲) عن ابی سعید الخدری قال امرنا رسول الله صلعم بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین فقلنا یا

"ابو سعید خدری سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلعم نے ناکثین (بیعت توڑنے والوں) اور

رسول الله امرنا بقتال هؤلاء فمع من قال مع علي ومعه يقتل عمار ياسر - اخرجه ابن عساكر في تاريخه - (ارجح المطالب ص۲۳۱)

قاسطین (ظلم کرنے والوں) اور مارقین (دین سے نکل جانیوالوں) سے قتال کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے کہا کہ یارسول اللہ آپ نے ہم کو ان لوگوں سے قتال کرنے کا کس کے ساتھ حکم دیا۔ آپنے فرمایا علیؑ کے ساتھ اور ان کی معیت میں عمار یاسر قتل ہوں گے۔ اسکو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔"

(۳) يخرج قوم من امتي يقرأون القرآن ليست قراءتكم الى قراءتهم بشيء ولا صلوتكم الى صلوتهم بشيء ولا صيامكم الى صيامهم بشيء يقرأون القرآن يحسبون انه لهم وهو عليهم لا تجاوز صلوتهم تراقيهم يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية - (كنز العمال كتاب الفتن ص۳۴)

"میری امت میں سے ایک قوم نکلے گی وہ لوگ قرآن کو پڑھیں گے ان کی قرآت تمہاری قرآت نہ ہوگی۔ نہ ان کی نماز تمہاری نماز سی ہوگی۔ نہ ان کے روزے تمہارے روزے سے ہونگے وہ قرآن کو یہ خیال کرکے پڑھیں گے کہ وہ انکے فائدے کے لئے ہے حالانکہ وہ ان کے ضرر کے لئے ہوگا۔ ان کی نماز ان کے گلے سے آگے نہ بڑھے گی۔ تو ان کو دیکھے گا کہ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان کے چلہ سے۔"

(۴) انها ستكون فتنة قالوا فما نصنع يا رسول الله قال ترجعون الى امركم الاول - (كنز العمال كتاب الفتن ص۳۵)

"بیشک وہ فتنہ (آزمائش) ہوگا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کیا کریں گے۔ آپنے فرمایا تم اپنے پہلے امر (کفر وجہالت) کی طرف پلٹ جاؤ گے۔"

(۵) افترقت اليهود على احدى وسبعين فرقة فواحدة في الجنة وسبعون في النار وافترقت النصارى على اثنين وسبعين فرقة فاحدى وسبعين في النار وواحدة في الجنة والذي نفس محمد بيده لتفترقن امتي على ثلاث وسبعين فرقة فواحدة في الجنة واثنتان وسبعون في النار (كنز العمال كتاب الفتن ص۳۸)

"یہود کے اکہتر فرقے ہوگئے ایک جنتی ہے اور ستر جہنمی ہیں اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوگئے اکہتر جہنمی ہیں اور ایک جنتی ہے قسم اس کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے میری امت کے تہتر فرقے ہوجائیں گے ایک جنتی ہے اور بہتر جہنمی۔

(۶) والذي نفسي بيده ليخرجن من هذا المسجد فتن كصياصي البقر - (كنز العمال كتاب الفتن ص۳۲)

"اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مسجد سے فتنے گائے کی سینگوں کی طرح سے نکلیں گے۔"

(۷) عن عائشة ان النبي صلعم قال لازواجه ايتكن التي تنبحها كلاب الحوأب فلما مرت عائشة ببعض مياه بني عامر ليلا نبحت الكلاب عليها فسألت عنه فقيل لها هذا ماء الحوأب فوقفت وقالت ما اظنني الا راجعة اني سمعت رسول الله صلعم قال ذات يوم كيف باحداكن تنبح عليها كلاب الحوأب قيل لها يا ام المؤمنين انما تصلحين بين الناس - (كنز العمال كتاب الفتن ص۴۳)

"عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے اپنی ازواج سے فرمایا تم میں سے وہ بھی ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ پس جب عائشہ بنی عامر کے ایک چشمہ کے پاس سے رات کو گذریں تو ان پر کتے بھونکے۔ انھوں نے اس جگہ کے بارے میں سوال کیا تو جواب دیا گیا کہ یہ چشمہ حوأب ہے بس وہ ٹھہر گئیں اور کہا کہ میرا خیال تو لوٹنے کا ہے میں نے ایک روز رسول اللہ کو کہتے سنا کہ تم میں سے ایک کی کیا حالت ہوگی جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے ان سے کہا گیا کہ اے ام المومنین آپ تو لوگوں کی بہبودی کا کام کررہی ہیں۔"

(۸) ارأيت في منامي كان بني الحكم بن ابي العاص ينزون على منبري كما ينزو القردة - (كنز العمال كتاب الفتن ص۳۹)

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حکم بن ابوالعاص کی اولاد میرے منبر پر اس طرح اچکتی ہے جیسے بندر اچکتے ہیں۔"

(۹) ان اهل بيتي سيلقون من بعدي من امتي قتلا وتشريدا (كنز العمال كتاب الفتن ص۴۲)

"بیشک میرے اہلبیتؑ کو میرے بعد میری امت سے قتل و پراگندگی کا سابقہ ہوگا۔"

(۱۰) عن ابن عباس قال قال رسول الله صلعم يا فاطمة انت اول اهلي لحوقا بي اخرجه الديلمي - (ارجح المطالب ص۳۰۸)

"ابن عباس سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے فاطمہؑ تو میرے اہل میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہوگی۔"

(۱۱) عن عائشة ان النبي صلعم قال اخبرني جبرئيل ان ابني الحسين يقتل بارض الطف وجاءني بهذه التربة واخبرني ان فيها مضجعه - اخرجه ابن سعد الطبراني (ارجح المطالب ص۳۳)

"عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ مجھکو جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ زمین طف (کربلا) پر قتل کیا جائے گا اور میرے پاس یہ مٹی لائے ہیں۔ اور مجھکو یہ بھی خبر دی ہے کہ اسی سرزمین میں اس کی خوابگاہ ہے۔

(۱۲) لا بارك الله في يزيد نعى الي الحسين واوتيت

"اللہ یزید کو برکت نہ دے مجھکو حسینؑ کی خبر مرگ دی گئی اور

بتربتہ واخبرت بقاتلہ۔ (کنز العمال کتاب الفتن ص ۳۹)

اسکی مٹی دی گئی اور اس کے قاتل کی خبر دی گئی۔

(۱۳) عن علیؑ ان رسول اللہ صلعم قال لہ ان الامۃ ستغدر بک وانت تعیش علی ملتی وتقتل علی سنتی من احبک احبنی ومن ابغضک ابغضنی وان ھذہ ستخضب عن ھذہ یعنی لحیتہ عن راسہ۔ اخرجہ الدار قطنی والحاکم والخطیب۔ (ارجح المطالب باب چہارم ص ۲۸۷)

"حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے آنحضرت سے فرمایا کہ امت تیرے بارے میں غدر کرے گی اور تو میری ملت پر جیئے گا اور میری سنت پر قتل ہوگا جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تجھے ناخوش کیا اس نے مجھے ناخوش کیا اور یہ اس سے رنگین ہوگی یعنی داڑھی سر سے رنگین ہوگی اسکو دار قطنی اور حاکم اور خطیب نے نقل کیا ہے۔"

(۱۴) انکم ستحرصون علی الامارۃ وانھا ستکون ندامۃ وحسرۃ یوم القیامۃ (کنز العمال کتاب الامارۃ ص ۱۹۱)

"بیشک تم عنقریب امارت پر حرص کروگے اور وہ قیامت کے دن ندامت وحسرت ہو جائے گی۔"

(۱۵) انھا ستخرج رایات من المشرق لبنی العباس اولھا مثبور وآخرھا مثبور لا تنصروھم لا نصرھم اللہ ما من شیء تحت رایۃ من رایاتہ ادخلہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ جھنم الا انھم شرار خلق اللہ واتباعھم شرار خلق اللہ یزعمون انھم منی الا انی منھم بریء وھم منی براء علامتھم یطیلون الشعور ویلبسون السواد۔

"عنقریب بنی عباس کے جھنڈے مشرق سے نکلیں گے انکا پہلا بھی ہلاکت زدہ ہے اور آخری بھی ہلاکت زدہ ہے تم ان کی مدد نہ کرنا اللہ ان کی مدد نہ کرے گا۔ ان کے جھنڈوں میں سے کسی جھنڈے کے نیچے جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم میں داخل کرے گا۔ آگاہ ہو وہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ اور ان کے پیرو بھی اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ مجھ سے ہیں۔ خبردار میں ان سے علیحدہ ہوں اور وہ مجھ سے علیحدہ ہیں انکی علامت یہ ہے کہ وہ بال بڑے رکھیں گے اور سیاہ لباس پہنیں گے۔"

(۱۶) ستکون لبنی عمی مدینۃ من قبل المشرق بین دجلۃ ودجیلۃ وقطربل والصراۃ یشید فیھا بالخشب والآجر والجص والذھب یقال انھا بغداد۔ (کنز العمال کتاب الفتن)

"عنقریب میرے بنی عم کے لئے دجلہ اور دجیلہ اور قطربل اور صراۃ کے مابین اطراف مشرق میں شہر ہوگا جس کو لکڑی اور اینٹ چونے اور سونے سے بنایا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد ہے۔"

ہم نے یہاں فقط ادنھیں اخبار غیب کو نقل کیا ہے جن کا وقوع ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار پیشین گوئیاں

اور بھی ہیں جن کے ظہور کے اہل اسلام منتظر ہیں۔ نیز قرآن مجید میں جتنے اخبار غیب مذکور ہیں وہ مقدمہ حواشی میں درج کئے گئے ہیں لہذا یہاں اون کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ

"اور (اے رسولؐ) جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار سے اس کی خوشنودی کی تمنا میں دعائیں مانگا کرتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ دھتکارو (ان کے حساب وکتاب کی) جوابدہی نہ تمہارے ذمہ ہے اور نہ تمہارے (حساب وکتاب کی) جوابدہی کچھ ان کے ذمہ تاکہ تم انھیں (اس خیال سے) دھتکار بتاؤ تو تم ظالموں کے شمار میں ہو جاؤ گے۔"

امرائے قریش نے جب دیکھا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں بلال وعمار وسلمان وغیرہم ضعیف الحال اہل ایمان حاضر رہتے ہیں تو ان کو ایمان قبول نہ کرنے کے لئے ایک بہانہ مل گیا۔ ایک روز آپ سے کہنے لگے کہ ایسے فقراء وغرباء کو آپ نے اپنا ہمنشیں بنا رکھا ہے جن کے ساتھ ہمکو بیٹھنا گوارا نہیں۔ اگر ان کو اپنی مجلس سے خارج کر دیجئے تو ہم آپ کی پیروی اختیار کرلیں گے۔ اس کلام سے مقصود اون کفار کا یہ تھا کہ جتنے وفادار مومنین آپ کے پاس جمع ہو گئے ہیں وہ بھی برگشتہ ہو جائیں اور حضرت تنہا رہ جائیں۔ اس آیت میں خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کی کہ وہ کفار کے کلام پر عمل نہ کریں۔ اور مقصود اس نہی سے یہ ظاہر کر دینا تھا کہ خدا کے نزدیک ان فقراء مومنین کی عزت ووقعت بہت زیادہ ہے اون کے مقابلہ میں قریش کے امرائے متکبرین کی قدر ومنزلت کچھ بھی نہیں اوس کے نزدیک عزت کا ذریعہ محض ایمان ہے نہ کہ دنیا کی دولت وحشمت۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کفار کے کہنے سے اون مومنین کی حاضری کے لئے ایک خاص وقت معین کر دیا تھا۔ جس پر خداوند عالم نے عتاب فرمایا۔ لیکن یہ قول محض غلط ہے۔ خداوند عالم نے اس آیت میں جو کچھ فرمایا ہے اوس سے محض اون کفار کو بتا دینا مقصود تھا کہ وہ مومنین خدا کے نزدیک کتنے باعزت ہیں۔ نہ کہ رسولؐ پر عتاب کرنا۔ ہم نے اس سے پہلے کئی جگہ یہ ظاہر

کر دیا ہے کہ اکثر آیتوں میں اگرچہ روئے سخن بظاہر آنحضرت صلعم کی طرف ہے لیکن اصلی مقصود دوسروں کی زجر و توبیخ ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ۭ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں بیہودہ بحث کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ٹل جاؤ یہاں تک کہ وہ لوگ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں۔ اور اگر (ہمارا یہ حکم) تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا

اس سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی کہ انبیا کو احکام الٰہیہ میں فراموشی عارض ہو سکتی ہے یا نہیں یہ احتمال ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں نہی کا تعلق مخصوص آنحضرتؐ کی ذات سے ہے کیونکہ یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتی کہ آپ اون لوگوں سے دوستانہ اختلاط و ارتباط رکھتے ہوں گے جو کلام الٰہی کا مذاق اڑاتے اور آپ کو مجنون و ساحر بتلاتے تھے خصوصاً اس وقت جبکہ وہ استہزاء میں مصروف بھی ہوں۔ پس اس آیت میں درحقیقت اہل اسلام کو کافروں کی صحبت میں بیٹھنے سے ممانعت کی گئی ہے اگرچہ بظاہر خطاب آنحضرت صلعم سے کیا گیا ہے لیکن مقصود اور لوگوں کی تنبیہ ہے۔ اس امر کو بطور کلیہ کے تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جن آیات میں آنحضرتؐ کی طرف مظاہرۂ کفار، مجالست مشرکین، شک و جہل وغیرہ وغیرہ امور کی نسبت دی گئی ہے جو بظاہر شان نبوت کے خلاف ہے اون سے امت کو تنبیہ کرنا منظور ہے اور اسکی مثالیں اون احکام الٰہی میں بھی بہ کثرت موجود ہیں۔ جن میں خداوند عالم نے جناب موسیٰ کو مخاطب قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج میں ہے "تو کسی کی جھوٹی خبر مت اڑا۔ تو ظلم کی گواہی میں شریروں کا ساتھی مت ہو۔ تو گروہ کی پیروی بدی کرنے میں مت کیجیو اور تو کسی جھگڑے میں لوگوں کی بہتایت کے سبب اون کی طرف مائل ہو کے ناحق مت کیجیو۔ (باب ۲۳ آیت ۱-۲)

نیز باب تسلیم میں ہے "پھر خدا یہ سب باتیں بولا اور کہا کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر اور غلامی کے گھر سے نکال لایا۔ میں ہوں میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہوئے تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو اون کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ انکی عبادت کر۔"

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

"(اے رسول اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ آذر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ میں تمکو اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔"

بعض ناواقف مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا حالانکہ ایسا نہیں۔ چنانچہ زجاج نے تصریحاً کہا ہے کہ "لیس بین النسابین اختلاف فی ان اسم ابی ابراهیم تارخ" یعنی علمائے انساب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جناب ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا۔ چونکہ آزر جناب ابراہیمؑ کا چچا یا نانا تھا اور اوسی نے آپ کی پرورش کی تھی۔ اس لئے آپ اس کو باپ کہا کرتے تھے، یہاں خدا نے بھی محض آپ کے قول کی حکایت کی ہے۔ علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم کے تمام آبا و اجداد مومن تھے، اور خود آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے:-

۱- لم یزل ینقلنی اللّٰه تعالی من اصلاب الطاهرین الی ارحام المطهرات حتی اخرجنی فی عالمکم هذا لم یدنسنی بدنس الجاهلیة

"مجھکو خداوند عالم نے اصلاب طاہرین سے ارحام مطہرات کی طرف برابر منتقل کیا، یہانتک کہ مجھکو تمہارے اس عالم میں لایا پاک و پاکیزہ پیدا کیا کہ ایام جاہلیت کی کوئی گندگی (برائی) مجھ سے چھو بھی نہیں گئی (یعنی میں برابر اصلاب طاہرین سے ارحام مطہرات کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اور جب اس عالم اسباب میں آیا تو پاک و پاکیزہ پیدا ہوا۔ خاندانی بھی کوئی عیب نہیں تھا۔"

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۝

"پس جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو ایک ستارہ کو دیکھا تو دفعتاً بول اٹھے کیا یہی میرا خدا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگے غروب ہو جانے والی چیز کو تو میں خدا بنانا پسند نہیں کرتا۔"

جناب ابراہیم علیہ السلام کے کلام کا صحیح منشا سمجھنے کے لئے اس حدیث پر نظر کرنی چاہیے:-

عن الرضا علیه السلام سأله المامون یا ابن رسول اللّٰه الیس من قولك ان الانبیاء معصومون قال بلی فاخبرنی

"امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنحضرتؑ سے مامون نے سوال کیا یا ابن رسول اللہ کیا آپ کا یہ قول نہیں ہے کہ انبیاء معصوم ہیں؟"

عن قول اللہ عزوجل فلما جن علیہ اللیل رأی کوکباً قال
ھذا ربی فقال الرضاؑ ان ابراھیمؑ وقع الی ثلاثۃ اصناف
صنف یعبد الزھرۃ وصنف یعبد القمر وصنف یعبد
الشمس وذلک حین خرج من السرب الذی اخفی
فیہ فلما جن علیہ اللیل رأی الزھرۃ قال ھذا ربی
علی الانکار والاستخبار فلما افل الکوکب قال لا احب
الآفلین لان الافول من صفات المحدث لا من
صفات القدیم فلما رأی القمر بازغا قال ھذا ربی
علی الانکار والاستخبار فلما افل قال لئن لم یھدنی
ربی لاکونن من القوم الضالین فلما اصبح ورأی الشمس
بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر من الزھرۃ والقمر علی
الانکار والاستخبار لا علی الاخبار والاقرار فلما افلت
قال للاصناف الثلاثۃ من عبدۃ الزھرۃ والقمر و
الشمس یا قوم انی بریٔ مما تشرکون انی وجھت وجھی
للذی فطر السماوات والارض حنیفا وما انا من
المشرکین وانما اراد ابراھیم بما قال ان یبین لھم
بطلان دینھم ویثبت عندھم ان العبادۃ لخالقھا
وخالق السماوات والارض وکان ما احتج بہ علی قومہ
ما الھمہ اللہ وآتاہ کما قال اللہ تعالیٰ وتلک حجتنا آتیناھا
ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشاء فقال المامون
للہ درک یا ابن رسول اللہ ۔

آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا قول اللہ عزوجل فلما جن علیہ
اللیل فرأی کوکبا قال ھذا ربی کے بارے میں خبر دیجئے
امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام کا سابقہ تین
قسم کے لوگوں سے ہوا۔ ایک قسم زہرہ کی پرستش کر رہی تھی اور
ایک قسم چاند کی پرستش کر رہی تھی۔ اور ایک قسم آفتاب کی پرستش
کر رہی تھی یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ اس غار سے
باہر آئے ہیں جس میں چھپے ہوئے تھے پس جب رات چھا گئی
تو آپ نے زہرہ کو دیکھ کر بطریق انکار و استخبار فرمایا کیا یہ میرا
رب ہے؟ پس جب وہ ستارہ ڈوبا تو آپ نے فرمایا کہ
میں ڈوب جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیونکہ ڈوبنا حادث
کے صفات میں سے ہے نہ کہ قدیم کے صفات میں سے پس
جب آپ نے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بطور انکار و استخبار فرمایا
کیا یہ میرا رب ہے؟ پس جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے
فرمایا کہ اگر میرا رب مجھکو ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں سے
ہو جاتا۔ جب صبح ہوئی اور آپ نے آفتاب کو چمکتے ہوئے
دیکھا تو بطور انکار و استخبار فرمایا کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ تو
زہرہ اور ماہتاب سے بڑا ہے پس جب وہ بھی ڈوب گیا تو
آپ نے زہرہ و ماہتاب و آفتاب تینوں قسموں کے پرستاروں سے
فرمایا اے قوم میں تمہارے شرک سے علیحدگی رکھتا ہوں،
میں نے اپنا منہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف
رجوع قلب کے ساتھ موڑ دیا ہے اور میں مشرکین میں سے
نہیں ہوں۔ ابراہیمؑ کا ارادہ اپنے قول سے صرف یہ تھا کہ ان کے دین کے بطلان

کو ظاہر فرمادیں اور اُن پر یہ ثابت کردیں کہ عبادت مذکورہ اشیاء زہرہ، قمر، شمس ا
اور زمین و آسمان کے خالق کے لئے ہونی چاہیئے۔ اور جن باتوں سے ابراہیمؑ نے اپنی
قوم پر حجت قائم کی وہ ان پر اللہ تعالیٰ نے الہام کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
کہ یہ ہماری وہ دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے برخلاف دی۔ ہم
جسکے مراتب چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔ پس مامون نے کہا۔ فرزند رسولؐ خدا آپ کا
بھلا کرے آپ کی فہم اللہ کا عطیہ ہے۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ

"یہ اگلے پیغمبر وہ لوگ تھے جن کی خدا نے ہدایت کی پس تم بھی انکی ہدایت کی پیروی کرو۔ تم لوگوں سے کہو کہ میں تم سے اس (رسالت) کی مزدوری کچھ نہیں چاہتا۔ یہ تو سارے جہان کے لئے صرف نصیحت ہے"

اس آیت میں خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو محض عقائد حقہ و اخلاق حمیدہ میں انبیائے سابقین کی پیروی کا حکم دیا ہے منجملہ اون کے ایک امر کی تصریح بھی کردی ہے اور وہ یہ کہ امت کو جتادیں کہ تبلیغ رسالت پر اُن سے کسی اجر کے طالب نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا ہے فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل یعنی اے رسولؐ کفار کی ایذا رسانی پر تم بھی اسی طرح صبر کرو جس طرح انبیائے اولوالعزم کرتے رہے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے آنحضرتؐ کو انبیائے سابقین کی شریعتوں کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ ایسے حکم کا صادر کیا جانا کسی طرح ممکن نہیں، اس لئے ہم نے بحث نسخ میں ثابت کردیا ہے کہ اگلے انبیائے مرسلین کی شریعتیں ایک دوسرے سے اختلاف و تناقض رکھتی تھیں جس سے ایک ہی وقت میں ان سب پر عمل کرنا غیر ممکن ہے۔ پس ایسے محال امر کا حکم خداوند عالم کی جانب سے صادر نہیں ہو سکتا۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ

"اور لوگوں نے جنات کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ جنات کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا
اس پر ان لوگوں نے خدا کے لئے بیٹیاں گڑھ ڈالیں جو باتیں یہ لوگ (اسکی شان) میں
بیان کرتے ہیں اس سے وہ پاک و پاکیزہ اور برتر ہے ۔"

(۱) جن "کو شریک باری تعالیٰ قرار دینے والے مجوس ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ عالم میں دو خالق موجود ہیں ایک یزداں (خدا) ہے جو امور خیر کا خالق ہے اور دوسرا اہرمن (شیطان) ہے جو شرور و آفات کو خلق کرتا ہے ۔

(۲) اس قول "خرقوا لہ بنین و بنات" میں یہود و نصاریٰ و مشرکین کے اقوال کی حکایت کی گئی ہے ۔ یہود و نصاریٰ عزیر اور مسیح کو ابن اللہ بتاتے ہیں اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں کہتے ہیں ۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

"اس کے کوئی لڑکا کیونکر ہو سکتا ہے جب اس کے کوئی بی بی ہی نہیں ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز سے خوب واقف ہے ۔"

امام رازی اس قول باری تعالیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

ان تلک الولادۃ لا تصح الا ممن کانت لہ صاحبۃ وشھوۃ وینفصل عنہ جزء ویحتبس ذلک الجزء فی باطن تلک الصاحبۃ وھذہ الاحوال انما تثبت فی حق الجسم الذی تصح علیہ الاجتماع والافتراق والحرکۃ والسکون والحد والنھایۃ والشھوۃ واللذۃ وکل ذلک علی خالق العالم محال وھذا ھو المراد من قولہ انّیٰ یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبۃ ۔

"بیشک یہ ولادت اسی سے ہو سکتی ہے جس کے بیوی ہو اور شہوت رکھتا ہو ۔ اور اس سے ایک جزء علٰحدہ ہو اور وہ جزء اس کی بیوی کے اندر محبوس ہو اور یہ حالات اسی جسم کے حق میں ثابت ہوتے ہیں جس کے لئے اجتماع و افتراق حرکت و سکون ، حد و نہایت ، شہوت و لذت صحیح ہو اور یہ کل حالات خالق عالم کے لئے محال ہیں اور یہی مراد ہے اسکے قول انّیٰ یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبۃ سے ۔"

لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

"اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ (لوگوں کی) نظروں کو خوب دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین و خبردار ہے ۔"

اس مسئلہ میں کہ خدا دنیا و آخرت میں دکھائی دے سکتا ہے یا نہیں ملل اسلامیہ کے اقوال و عقائد مختلف ہیں اشاعرہ کا قول یہ ہے کہ انسان خداوند عالم کو دنیا و آخرت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور مومنین کو آخرت میں اس کا دیدار نصیب بھی ہوگا ۔ چنانچہ ملا ابوالعلی شرح مواقف میں لکھتے ہیں ۔

قال الآمدی اجتمعت الائمۃ من اصحابنا علی ان رویتہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ جائزۃ عقلاً واختلفوا فی جوازھا سمعاً فی الدنیا فاثبتہ بعضھم ونفاہ آخرون ۔

"یعنی آمدی کا بیان ہے کہ ہمارے تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ خدا کا دیدار دنیا اور آخرت میں عقلاً جائز ہے البتہ دنیا میں خدا کے دیدار ہونے پر سمعی دلیل کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہے کچھ لوگوں نے اس کو ثابت کیا ہے کچھ لوگوں نے انکار کیا ہے (شرح مواقف صفحہ ۶۱۱ مطبوعہ لکھنؤ)

نیز ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور محقق دوانی نے شرح عقائد عضدیہ میں اور واضح لکھا ہے ۔

برخلاف اس کے شیعہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ کسی عالم میں رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں محسوس و مرئی ہونا شان الوہیت کے منافی ہے اگر عقل سلیم کے معیار پر جانچ کی جائے تو یہی رائے صحیح و صائب ثابت ہوگی کیونکہ جس ذات کو جسمیۃ اور اس کے لوازم یعنی جہۃ و مکان وغیرہ سے کوئی واسطہ نہ ہو اس کا مرئی و محسوس ہونا کسی وقت اور کسی عالم میں ممکن نہیں ہو سکتا جو لوگ اس کی رویت کو جائز و ممکن بتلاتے ہیں وہ درحقیقت اس کی جسمیۃ و مکانیۃ اور تحدید و تشبیہ کے قائل ہیں اگرچہ صاف لفظوں میں اس کا اقرار نہیں کرتے ۔

نفیِ رویت کے دلائل

منجملہ ان آیات کے جن سے علمائے شیعہ نے اپنے مذہب نفی رویت پر استدلال کیا ہے ایک آیت "لا تدرکہ الابصار الخ" بھی ہے ، چنانچہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں تحریر فرمایا ہے ۔

ھذہ الآیۃ احدی الدلالات التی استدل بھا النافون للرویۃ وقرروھا بوجھین (احدھما) ان ادراک البصر عبارۃ شایعۃ فی الادراک بالبصر اسناداً للفعل الی الآلۃ والادراک بالبصر ھو الرویۃ بمعنی اتحاد المفھومین او تلازمھا والجمع المحلی

"یہ آیت ان دلالتوں میں سے ایک دلالت ہے جن سے نفی رویت کے قائلین نے استدلال کیا ہے اور اسکی تقریر دو طرح پر کی ہے اول یہ کہ ادراک البصر ادراک بالبصر میں شایع (مشہور) تعبیر ہے یعنی فعل کی آلہ کیطرف اسناد کرتے ہیں اور ادراک بالبصر خود رویت ہے بایں معنی کہ دونوں مفہوم متحد ہیں یا دونو

بالادم عند عدم قرینة العهدیة والبعضیة للعموم
والاستغراق باجماع اهل العربیة والاصول وائمة
التفسیر وبشهادة استعمال الفصحاء وصحة الاستثناء
فالله سبحانه قد اخبر بانه لا یراه احد فی المستقبل
فلو راٰه المؤمنون فی الجنة لزم کذبه تعالیٰ وهو محال
واعترض علیه بان اللام فی الجمع لوکان للعموم والاستغراق
کما ذکرتم کان قوله تعالیٰ لا تدرکه الابصار موجبة کلیة وقد
دخل علیها النفی فرفعها وهو رفع الایجاب الکلی و
رفع الایجاب الکلی سلب جزئی ولو لم یکن للعموم کان قوله
لا تدرکه الابصار سالبة مهملة فی قوة الجزئیة فکان
المعنی لا تدرکه بعض الابصار ونحن نقول بموجبه
حیث لا یراه الکافرون ولو سلم فلا نسلم عمومه فی الاحوال
والاوقات فیحمل علی نفی الرؤیة فی الدنیا جمعاً بین الادلة
والجواب انه قد تقرر فی موضعه ان الجمع المحلی باللام
عام نفیاً واثباتاً فی المنفی والمثبت کقوله تعالیٰ وما الله
یرید ظلماً للعباد وما علی المحسنین من سبیل حتی انه لم
یرد فی سیاق النفی فی شیٔ من الکتاب الکریم
الا بمعنی عموم النفی ولم یرد لنفی العموم اصلاً نعم
قد اختلف فی النفی الداخل علی لفظة کل لکنه فی
القرآن المجید ایضاً بالمعنی الذی ذکرنا کقوله تعالیٰ
والله لا یحب کل مختال فخور الی غیر ذلک وقد اعترف
بما ذکرنا فی شرح المقاصد وبالغ فیه واما منع

میں تلازم ہے ۔ اور قرینہ عہدیت اور بعضیت نہ ہونے وقت وہ
جمع جو الف لام کے ساتھ ہوگی باجماع اہل عربیت و اہل اصول
و ائمہ تفسیر نیز استعمال فصحا کی شہادت اور صحت استثناء کے
ذریعہ سے عموم و استغراق کے لئے ہے ۔ چنانچہ خدا نے خبر دی ہے
کہ اس کو کوئی مستقبل میں نہیں دیکھے گا پس اگر اسکو مومنین جنت
میں دیکھیں تو اس کا کاذب ہونا لازم آئے گا ۔ اور یہ محال ہے
اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جمع میں لام تمہارے بیان
کے مطابق اگر عموم و استغراق کے لئے ہوگا تو اس کا قول تدرکہ
الابصار موجبہ کلیہ ہوگا اور اس پر نفی داخل ہوئی ہے جسنے
اس کو رفع کر دیا ۔ اور یہ رفع ایجاب کلی ہوا ۔ اور رفع ایجاب
کلی سلب جزئی کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور اگر عموم کے لئے
نہ ہوگا تو اس کا قول لا تدرکہ الابصار سالبہ مہملہ قوت میں
جزئیہ کی ہوگا پس معنی لا تدرکہ بعض الابصار ہو جائیں گے
اور ہم اسی کے قائل ہیں کیونکہ اس کو کافرین نہ دیکھیں گے اور
اگر عموم تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم عموم فی الاحوال و الاوقات
کو تسلیم نہیں کریں گے ۔ پس کل دلیلوں کو جمع کرتے ہوئے دنیا کی
رویت کی نفی پر حمل کیا جائے گا ۔
جواب یہ ہے کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ جو جمع لام کے ساتھ
ہو منفی و مثبت میں بلحاظ نفی و اثبات عام ہوتی ہے جیسے
کہ قول باریتعالیٰ وما الله یرید ظلماً للعباد اور ما علی
المحسنین من سبیل یہانتک کہ کتاب کریم (قرآن) میں
سیاق نفی میں جو کچھ وارد ہوا ہے عموم النفی کے معنی میں وارد ہوا

عموم الاحوال والاوقات فلا یخفی فساده فان النفی المطلق
الغیر المقید لا وجه لتخصیصه ببعض الاوقات اذ لا ترجیح
لبعضها علی بعض وهو احد الادلة علی العموم عند علماء
الاصول وایضاً صحة الاستثناء دلیل علیه وهل یمنع احد صحة
قولنا ما کلمت زیداً الا یوم الجمعة ولا کلمته الا یوم العید
وقال تعالیٰ ولا تعضلوهن الی قوله الا ان یاتین وقال
ولا تخرجوهن الی قوله الا ان یاتین وایضاً کل نفی ورد فی
القرآن بالنسبة الی ذاته تعالیٰ فهو للتابید وعموم الاوقات
لا سیما فی ما قبل هذه الآیة ایضاً وعدم ادراک الابصار
جمیعاً لشیٔ لا یختص بشیٔ من الموجودات خصوصاً مع
اعتبار شمول الاحوال والاوقات فلا یختص به تعالیٰ
فتعین ان یکون المتمدح بعدم ادراک شیٔ من
الابصار له فی شیٔ من الاوقات ـ
وثانیهما انه تعالیٰ تمدح بکونه لا یریٰ ذکره فی اثناء
المدائح وما کان من الصفات عدمه مدحاً کان
وجوده نقصاً یجب تنزیه الله تعالیٰ عنه وانما قلنا من الصفات
احترازاً عن الافعال کالعفو والانتقام فان الاول تفضل
والثانی عدل وکلاهما کمال ـ

نفی العموم کے لئے قطعاً وارد نہیں ہوا ۔ ہاں اس نفی میں جو لفظ کل
پر داخل ہو اختلاف ہے لیکن یہ بھی قرآن مجید میں ہمارے ذکر کئے
ہوئے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے ۔ جیسے قول باریتعالیٰ :-
والله لا یحب کل مختال فخور وغیرہ اور شرح مقاصد میں ہمارے
اس دعوے کا اعتراف کرتے ہوئے کافی زور دیا ہے اور احوال
و اوقات کے عموم کو منع کرنا ظاہر الفساد ہے کیونکہ مطلق نفی کو
جو غیر مقید ہے بعض اوقات کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں
کیونکہ بعض اوقات کو دوسرے بعض پر کوئی ترجیح نہیں ہے اور علمائے
اصول کے نزدیک یہ بھی عموم کی ایک دلیل ہے ۔ نیز استثناء کا صحیح
ہونا بھی عموم پر دلیل ہے اور کیا کوئی شخص ہمارے قول :-
ما کلمت زیداً الا یوم الجمعة اور لا اکلمه الا یوم العید
کی صحت کا انکار کر سکتا ہے اور قول باریتعالیٰ ولا تعضلوهن سے
الا ان یاتین اور ولا تخرجوهن سے الا ان یاتین کے
استثناء کی صحت کا انکار کر سکتا ہے ۔ علاوہ ازیں جو نفی قرآن
میں بلحاظ ذات احدیت وارد ہوئی ہے وہ ۔ نیز کسی شئے کو تمام
ابصار کا ادراک نہ کرنا موجودات میں سے کسی سے مخصوص
نہیں ہے ۔ خصوصاً احوال و اوقات کے شمول کے اعتبار کے
ساتھ ۔ پس اس سے باری تعالیٰ مخصوص نہیں ہو سکتا تو متعین
ہو گیا کہ ہمہ اوقات میں ابصار کے ادراک میں نہ آنا اللہ ہی کی صفت مدح ہے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے
اپنے غیر مرئی ہونے کی مدح کی ہے اور اسکو مدائح کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور صفات میں سے جس صفت
کا عدم قابل مدح ہوگا اس کا وجود نقص ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا اس قسم کے نقص سے منزہ ہونا واجب ہے
اور ہم نے صفات کی قید اس لئے لگائی کہ افعال سے مثلاً عفو اور انتقام سے احتراز ہو جائے کیونکہ
پہلا تفضل ہے اور دوسرا عدل ہے اور دونوں کمال ہیں ۔"

[illegible]

احادیث ائمہؑ

یہاں ائمہ طاہرین علیہ السلام کے چند افادات بھی نقل کئے جاتے ہیں جن میں نفی رویت پر قوی دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) عن ابی ہاشم الجعفری قال قلت لابی جعفر بن الرضا علیہما السلام لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار فقال یا ابا ہاشم اوہام القلوب ادق من ابصار العیون انت قد تدرک بوہمک السند والہند والبلدان التی لم تدخلہا ولا تدرکہا ببصرک فاوہام القلوب لاتدرکہ فکیف ابصار العیون۔

"ابو ہاشم جعفری سے مروی ہے کہ میں نے ابو جعفر بن الرضا علیہما السلام سے عرض کی - "اس کو آنکھیں ادراک نہیں کرتیں اور وہ آنکھوں کو ادراک کرتا ہے"؟ آپ نے فرمایا اے ابو ہاشم دلوں کے خیالات آنکھوں کی بصارت سے زیادہ دقیق ہیں۔ تو تم اپنے خیال کے ذریعہ سے سندھ اور ہند اور ان بلاد کو جن میں تو نہیں گیا دریافت کر لیتا ہے مگر اپنی نگاہ سے نہیں معلوم کر سکتا تو جب اس کو دلوں کے خیالات نہیں ادراک کر سکتے تو بھلا آنکھوں کی بصارت کیسے ادراک کر سکتی ہے؟"

(۲) عن احمد بن اسحاق قال کتبت الی ابی الحسن الثالث علیہ السلام اسئلہ عن الرؤیۃ وما فیہ الخلق فکتب علیہ السلام لا یجوز الرؤیۃ ما لم یکن بین الرائی والمرئی ہواء ینفذہ البصر فمتی انقطع الہواء وعدم الضیاء عن الرائی والمرئی لم تصح الرؤیۃ وکان فی ذلک الاشتباہ لان الرائی متی ساوی المرئی فی السبب الموجب بینہما الرؤیۃ وجب الاشتباہ وکان فی ذلک التشبیہ لان الاسباب لابد من اتصالہا بالمسببات۔

"احمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے ابو الحسن الثالث علیہ السلام سے رویت اور اس میں لوگوں کے اختلافات کے بارے میں لکھ کر سوال کیا پس حضرت نے تحریر فرمایا کہ "جب تک رائی (دیکھنے والے) اور مرئی (جس کو دیکھا جائے) کے درمیان ایسی ہوا جس میں نظر نفوذ کرتی ہے نہ ہو رویت جائز نہیں ہے پس جب ہوا منقطع ہو اور ضیا (روشنی) معدوم ہو تو رویت صحیح نہ ہوگی۔ اور اسی سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ رائی اور مرئی جب اس سبب میں جو ان کے درمیان رویت کا موجب ہے مساوی ہوں گے تو اشتباہ ضروری ہے اور اسی سے تشبیہ کے رخ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کا مسببات سے اتصال ضروری ہے۔"

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:-

استدل علیہ السلام علی عدم جواز الرؤیۃ بانہا تستلزم کون المرئی جسمانیا ذا جہۃ وحیز وبین ذلک بانہ لابد ان یکون بین الرائی والمرئی ہواء ینفذہ البصر

"امام علیہ السلام کا استدلال رویت کے ناجائز ہونے پر بایں طور ہے کہ رویت مرئی کے جسمانی اور صاحب جہت و مکان ہونے کو مستلزم ہے اور اس کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ رائی اور مرئی کے مابین

وظاہرہ کون الرؤیۃ بخروج الشعاع وان امکن ان یکون کنایۃ عن تحقق الابصار بذلک وتوقفہ علیہ فاذا لم یکن بینہما ہواء او انقطع الہواء وعدم الضیاء الذی ہو ایضا من شرائط الرؤیۃ عن الرائی والمرئی لم تصح الرؤیۃ بالبصر وکان فی ذلک ای فی کون الہواء بین الرائی والمرئی الاشتباہ یعنی شبہ کل منہما بالآخر یقال اشتبہا اذا اشبہ کل منہما بالآخر ان الرائی متی ساوی المرئی وماثلہ فی النسبۃ الی السبب الذی اوجب بینہما الرؤیۃ وجب الاشتباہ ومشابہۃ احدہما الآخر فی توسط الہواء بینہما وکان فی ذلک التشبیہ ای کون الرائی والمرئی فی طرفی الہواء الواقع بینہما یستلزم الحکم بمشابہۃ المرئی بالرائی من الوقوع فی جہۃ لیصح کون الہواء بینہما فیکون متحیزا ذا صورۃ وضعیۃ فان کون الشئ فی طرف مخصوص من طرفی الہواء وتوسط الہواء بینہ وبین شئ آخر سبب عقلی للحکم بکونہ فی جہۃ ومتحیزا وذا وضع وہو المراد بقولہ لان الاسباب لابد من اتصالہا بالمسببات ویحتمل ان یکون ذلک تعلیلا لجمیع ما ذکر من کون الرؤیۃ متوقفۃ علی الہواء الی آخر ما ذکر وحاصلہ یرجع الی ما ادعاہ جماعۃ من اہل الحق من العلم الضروری بان الادراک المخصوص المعلوم بالوجہ الممتاز عن غیرہ لا یمکن ان یتعلق بما لیس فی جہۃ والا لم یکن للبصر مدخل فیہ

ہوا کا ہونا ضروری ہے جس میں نگاہ گذرے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ رویت شعاع کے خارج ہونے سے ہوتی ہے اگرچہ ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ سے دکھائی دینے سے کنایہ مقصود ہو۔ پس جب ان (رائی و مرئی) دونوں کے مابین ہوا نہ ہو۔ یعنی ہوا منقطع ہو جائے اور ضیا (روشنی) بھی معدوم ہو جائے جو رائی اور مرئی کی رویت کے شرائط میں سے ہے تو آنکھ سے دکھائی دینا صحیح نہ ہوگا۔ اور ہوا کے رائی اور مرئی کے درمیان ہونے میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا یعنی ہر ایک دوسرے سے مشابہ ہو جائے گا جب ہر ایک دوسرے کے مانند ہو جاتا ہے تو لفظ اشتباہ بولا جاتا ہے کیونکہ جب رائی اور مرئی کی نسبت اس سبب کی طرف جس نے ان کے درمیان رویت واجب کی ہے برابر ہوگی۔ تو اشتباہ اور ایک کا دوسرے سے (ہوا کے دونوں کے درمیان واسطہ ہونے میں) مشابہ ہونا ضروری ہوگا۔ اور اس تشبیہ میں یعنی رائی اور مرئی کے اس ہوا کے دونوں کناروں پر ہونے میں جو ان کے مابین واقع ہے مرئی کا رائی سے مشابہ ہونے کا حکم جہت میں واقع ہونے کی وجہ سے لازم آتا ہے تاکہ ہوا کا ان کے مابین ہونا صحیح ہو جائے۔ پس وہ مرئی صورت وضعیہ رکھنے والا صاحب حیز (مکان) ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی چیز کا ہوا کے دونوں طرفوں میں سے ایک مخصوص طرف میں ہونا اور اس کے اور دوسری شئے کے درمیان ہوا کا درمیانی ہونا

ولا کسب لمرئیتہ بل المدخل فی ذلک للعقل فلا وجہ
حینئذٍ لتسمیۃ ابصاراً والحاصل ان الابصار بھذا
الحاسۃ لیستحیل ان یتعلق بما لیس فی جھۃ بداھۃ
والالم یکن لھا مدخل فیہ وھم قد جوزوا الادراک
بھذہ الجارحۃ الحساسۃ وایضاً ھذا النوع من الادراک
یستحیل ضرورۃ ان یتعلق بما لیس فی جھۃ مع قطع
النظر عن ان تعلق ھذہ الحاسۃ یستدعی الجھۃ
والمقابلۃ وما ذکرہ الفخر الرازی من ان الضروری لا
یصیر محلاً للخلاف وان الحکم المذکور حکم یقتضیہ
الوھم ویعین علیہ وھو لیس مامونا لظھور خطائہ
فی الحکم بتجسم الباری تعالی وتحیزہ وما ظھر خطائہ
مرۃ فلا یؤمن بل یتھم ففاسد لان خلاف بعض
العقلاء فی الضروریات جائز کالسوفسطائیۃ
والمعتزلۃ فی تجویزھم انفکاک الشیئیۃ والوجود و
ثبوت الحال واما قولہ بان حکم الوھم غیر مامون
فطریف جداً لانہ منقوض بجمیع احکام العقل لانہ
ایضاً مما ظھر خطائہ مراراً وایضاً من خلیۃ الوھم
فی الحکم المذکور ممنوع وانما ھو عقلی صرف عندنا
وکذا الحال فی کون الباری تعالی متحیزاً مما یحکم
بہ ویجزم بل ھو تخییل یجری مجری سائر الاکاذیب
فی ان الوھم وان صورہ وخیلہ لنا لکن العقل
لا یکاد یجوزہ بل یحیل ویجزم ببطلانہ وکون

اس کے جہت میں ہونے اور متحیز ہونے اور صاحب وضع ہونے
کے حکم لگانے کا عقلی سبب ہے اور لان الاسباب لابد
من اتصالھا بالمسببات (اس لئے کہ اسباب کا مسببات
سے متصل ہونا ضروری ہے) سے یہی مراد ہے اور یہ بھی
احتمال ہے کہ تمام مذکورۂ بالا عبارت کی یہ علت بیان کی گئی
ہو اس کا خلاصہ وہی ہے۔ جس کا اہل حق کی ایک جماعت نے
دعویٰ کیا ہے کہ یہ بات بالضرورت معلوم ہے کہ ایسا مخصوص
ادراک جو اس طرح سے معلوم ہو جو اس کو غیر سے ممتاز کر دے
ممکن ہی نہیں ہے کہ اس چیز سے متعلق ہو جائے جو کسی جہت
میں نہ ہو ورنہ بصر (آنکھ) کو اس میں دخل نہ ہوگا اور اس کی
رویت حاصل نہ ہوگی بلکہ عقل کو اس میں دخل ہوگا بس اس کا ابصار
نام رکھنے کی کوئی وجہ نہیں حاصل یہ ہے کہ ابصار اس حاسہ
(بصر) کے ذریعہ سے محال ہے کہ ایسی چیز سے متعلق ہو جو کسی جہت
میں نہ ہو ورنہ اس حاسہ کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ حالانکہ انہوں
نے اس حاسہ (بصر) کے ذریعہ سے ادراک جائز قرار دیا ہے
نیز اس طرح کے ادراک کا ایسی چیز سے جو کسی جہت میں نہ ہو متعلق
ہونا محال ہے چاہے اس سے قطع نظر بھی کر لی جائے کہ یہ حاسہ
جہت اور مقابلہ چاہتا ہے۔ اور یہ جو فخر الدین رازی نے
ذکر کیا ہے کہ بدیہی بات اختلاف کی وجہ سے محال نہیں ہو سکتی۔
اور حکم مذکور حکم وہم ہے اور حکم وہمی کا معین ہے اور وہم خطا
سے محفوظ نہیں ہے کیونکہ باریتعالیٰ کے جسمانی اور متحیز ہونے کا حکم
لگانے میں اس کا خطا کرنا ظاہر ہو چکا ہے اور جس کا خطا کرنا

ظھور الخطاء مرۃ سبباً لعدم ایتمان المخطی واتھامہ
ممنوع ایضاً والا قدح فی المحسیات وسائر الضروریات
وقد تقرر بطلانہ فی موضعہ فی ادشبہہ القادحین فی
الضروریات۔

ایک دفعہ ظاہر ہو گیا وہ مامون نہیں رہیگا بلکہ متہم ہوگا۔
(یہ قول رازی) فاسد ہے کیونکہ بعض عقلا کا ضروریات میں اختلاف
کرنا جائز ہے جیسے کہ سوفسطائیہ اور معتزلہ نے شیئیت اور
وجود کے انفکاک اور ثبوت الحال میں اختلاف کیا ہے لیکن

اس (رازی) کا یہ کہنا کہ حکم وہم غیر مامون ہے بہت عجیب ہے کیونکہ اس پر تمام احکام
عقلیہ کے ذریعہ سے نقض وارد ہوگا۔ کیونکہ یہاں بھی اسکی مراد کا غلط ہونا بکرات ومرات
ظاہر ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں حکم مذکور میں وہم کی مدخلیت ممنوع ہے کیونکہ یہ حکم ہمارے
نزدیک صرف عقلی ہے اور اسی طرح باری تعالیٰ کا متحیز نہ ہونا بھی اس کا حکم ہے تو یہ بھی
ایک خیالی بات ہو جائیگی۔ جو ساری جھوٹی باتوں کی طرح ہوگی۔ اس بارے میں گو وہم
اگرچہ ہمارے تصور وخیال میں کوئی چیز پیدا کر دے لیکن عقل اس کو درست نہیں قرار دیگی
بلکہ محال قرار دے گی اور اس کے بطلان کا یقین کرے گی۔ اور ایک دفعہ خطا کا ظاہر ہونا
خطاکار کے غیر مامون ہونے اور متہم ہونے کا سبب ہو جائے ممنوع ہے ورنہ حسیات
اور تمام ضروریات میں خرابی آجائے گی اور اس کا بطلان اپنی جگہ پر جہاں ضروریات میں قدح
کرنے والوں کی رد کی گئی ہے کیا جا چکا ہے۔"

(۳) جناب امام علی رضا علیہ السلام نے ایک طویل حدیث میں فرمایا ہے :۔

وقد قال ولا یحیطون بہ علماً" فاذا ادانہ الابصار فقد
احاط بہ العلم۔

"خود خدا کا ارشاد ہے کہ باعتبار علم لوگ اس کا احاطہ نہیں
کرسکتے تو جب نگاہیں دیکھ لیں گی تو بحیثیت علم کے اسکا احاطہ ہو جائیگا"

جزء ہفتم تمام شد

الجزء الثامن (۸)

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ

"اور (اے رسولؐ سچ تو یوں ہے کہ) ہم اگر ان کے پاس فرشتے بھی نازل کرتے اور ان سے مردے بھی باتیں کرنے لگتے اور تمام (مخفی) چیزیں (جیسے جنت و نار وغیرہ) گروہ گروہ ان کے سامنے لا کھڑے کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے، مگر جب اللہ چاہے۔ لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔"

(۱) پروردگار عالم نے اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کفار اظہار آیات کا تقاضا کرتے ہیں اور بقسم کہتے ہیں کہ اگر ان کی شرط پوری کر دی جائے تو مومن ہو جائیں گے۔ ان کا باطنی فساد اور ملکۂ کفر و عصیان اس حد شدت و رسوخ کو پہنچا ہوا ہے کہ اگر ملائکہ ان کے روبرو آکر رسولؐ کی تصدیق کریں اور مردے زندہ ہو کر ان سے یہ کہیں کہ خدا کی وحدت اور رسولؐ کی رسالت حق ہے۔ اور اسی طرح وہ تمام آیات جن کا مطالبہ کیا جاتا ہے ان کے سامنے لا کر جمع کر دیں تب بھی وہ اپنی مرضی و اختیار سے ایمان و اطاعت حق قبول نہ کریں گے۔ جب تک کہ خدا اپنی مشیت سے ان کو اس پر مجبور نہ کرے اور اس کی ذات میں یہ قدرت موجود ہے کہ جب چاہے ان کفار کو بجبر و اکراہ مومن و مطیع بنا لے مگر اکثر جاہل ہیں اس کی قدرت کاملہ سے ناواقف ہیں۔ ہم نے پہلے متعدد مواقع میں تصریح کر دی ہے کہ مدار تکلیف اسی پر ہے کہ بندوں کے اختیار میں فرق نہ ہو۔ جبر و اکراہ کے ساتھ تکلیف امتحانی باقی نہیں رہ سکتی اور نہ بعثت رسل و اظہار معجزات پھر کوئی فائدہ متصور ہوگا۔

(۲) کلام الٰہی "اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ" صاف طور سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ باری تعالیٰ کا مشیت و ارادہ قدیم و ازلی نہیں بلکہ حادث و متجدد ہے یعنی کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اگر یہ صورت نہ ہوتی تو یہاں استثنار صحیح نہ ہوتا اور یہ کلام بالکل بے معنی ہو جاتا کہ "یہ لوگ کبھی ایمان نہ لائیں گے مگر جب خدا چاہے۔"

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ

"اور (اے رسولؐ جس طرح یہ کفار تمہارے دشمن ہیں) اسی طرح (گویا) ہم نے (خود آزمائش کے لئے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا وہ لوگ ایک دوسرے کو فریب دینے کی غرض سے چکنی چپڑی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرنے پاتے تو ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو چھوڑ دو۔"

(۱) "شیاطین انس" سے وہ کفار مراد ہیں جو دوسروں کے اغوا و اضلال میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) خداوند عالم نے اس آیت میں بغرض تسلیہ و تسکین قلب اپنے رسولؐ سے یہ فرمایا ہے کہ اگر شیاطین انس و جن تمہارے دشمن ہو رہے ہیں تو اس کا غم نہ کھاؤ کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہر نبی کے عہد میں ایسے ہی شیاطین موجود رہے ہیں۔ جو ان کے دشمن رہتے اور اذیت دیتے تھے۔

(۳) اس کلام ربانی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اشرار و شیاطین کے قلوب میں انبیا کی عداوت خلق کر دی تھی۔ اس لئے وہ مجبوراً ان کے دشمن بن گئے تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس (عہ) کو بجبر و اکراہ ترک نہیں کرایا۔ کیونکہ وہ مکلف تھے، اور سلب اختیار سے تکلیف باطل ہو جاتی۔ اور اسی مطلب کو خداوند عالم نے "وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ" فرما کر واضح کر دیا ہے۔ یعنی مشیت ربانی میں یہ طاقت موجود تھی کہ ان کو عناد و عداوت کے طریقے پر چلنے نہ دیتی۔ مگر ایسا نہیں کیا تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ نیز یہ جملہ "فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ" بھی اسی مطلب کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "اے رسولؐ جس طرح ہم نے ان شیاطین کو ان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے اسی طرح تم بھی چھوڑ دو اور افترا پردازی کرنے دو۔"

عہ خدا نے ان شیاطین کو محبت و اتباع انبیاء پر مجبور نہیں کیا اور انبیاء کی طرف جو عداوت ان کے قلوب میں تھی اور اذیت رسانی کا جو شیوہ انھوں نے اختیار کیا تھا۔

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ

مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

"اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ (قرآن بھی) تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق نازل کیا گیا ہے تو تم (کہیں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔"

اس جملہ میں اگرچہ خطاب بظاہر نبیؐ سے ہے مگر مراد امت سے ہے (اس کی اکثر مثالیں پہلے گذر چکیں اور آئندہ بھی آئینگی) اور محصل یہ ہے کہ تم کو اس بات میں شک نہ ہوگا مومنین اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن بیان حق ہے کہ جو خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

"اور سچائی اور انصاف میں تو تمہارے پروردگار کی بات پوری ہو گئی کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہی بڑا سننے والا واقف کار ہے۔"

"کلمہ ربک" سے حجت خدا مراد ہے جس میں قرآن مجید بھی شامل ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجت خدا تمام و کمال کی حد کو پہونچی ہوئی ہے کسی کمی و زیادتی کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اس کی جملہ خبریں محض صدق اور تمام اوامر و نواہی خالص عدل و انصاف ہیں۔ کذب و جور کا مطلق شائبہ نہیں۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ

"اور (اے رسولؐ) دنیا میں تو بہتیرے لوگ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے کہنے پر چلو تو تم کو خدا کی راہ سے بہکا دیں۔ یہ لوگ تو صرف اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ تو بس اٹکل پچو باتیں کیا کرتے ہیں۔"

(۱) کفار مکہ مردار کھاتے اور مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم خود جس کو مار ڈالتے ہو اسے تو کھاتے ہو۔ اور جس کو خدا نے مار ڈالا ہے اس کو حرام جانتے ہو۔ حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ پروردگار عالم نے پہلے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اس معاملہ میں کفار کا اتباع نہ کریں۔ پھر یہ ظاہر فرمایا کہ کفار جو کچھ کہتے ہیں محض ظن و قیاس ہے جس کو صحت سے واسطہ نہیں۔ (مردار کھانا صحت جسمانی کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے لہذا اس کو ذبیحہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے خدا کا نام لیکر ذبح کرنے سے شرک کا ابطال ہوتا ہے اور یہ فائدہ لاش کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا)

(۲) ان آیات سے دو ضروری باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ دین کے معاملہ میں تقلید اور خواہش اور اتباع

ظن و قیاس جائز نہیں کیونکہ ایسی دو چیزوں میں جن کی ظاہری حالت یکساں دکھائی دیتی ہو کبھی مخفی فرق موجود ہوتا ہے جو بادی النظر میں معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا انکی ظاہری نظر پر اعتماد کر کے دونوں کو ایک حکم میں متحد سمجھ لینا خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ پروردگار عالم نے اکثر اہل ارض کے اتباع کو گمراہی کا باعث بتا کر یہ ظاہر کر دیا کہ معرفت حق کے معاملہ میں تعداد کی قلت و کثرت کا اعتبار کچھ بھی نہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جدھر جم غفیر و سواد اعظم ہے۔ حق اسی طرف ہوگا۔ بلکہ حق کبھی ایسی جماعت کے ساتھ ہوتا ہے جس کی قلت تعداد ناقابل التفات سمجھی جاتی ہے لہذا کسی جماعت کی کثرت کو حقیقت کی دلیل تصور کر لینا نظر عقل کی نہایت مہلک خطا ہے۔ طلب حق کی راہ میں حجج و براہین پر نظر کرنی چاہیئے نہ کہ جماعت کی قلت و کثرت پر۔ اس مطلب کو امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حارث ہمدانی کو مخاطب کر کے جیسے مختصر و جامع کلام میں بیان فرمایا ہے کسی دوسری زبان سے ممکن نہیں اور وہ یہ ہے "یا حار الحق لا یعرف بالرجال اعرف الحق تعرف اہلہ" یعنی حق کی معرفت لوگوں کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ پہلے حق کو پہچانو پھر اس کے ذریعے سے اہل حق کو پہچان لو گے۔"

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ

"(اے لوگو) ظاہری اور باطنی گناہ (دونوں) کو (بالکل) چھوڑ دو جو لوگ گناہ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے اعمال کا عنقریب ہی بدلا دیا جائے گا۔"

"ظاہر الاثم" سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے اور "باطن الاثم" سے قلبی معصیت مقصود ہے مثلاً شرک و شک فی الدین وغیرہ۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

"کیا جو شخص (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں (بے تکلف) چلتا پھرتا ہے اس شخص کا سا ہو سکتا ہے جس کی یہ حالت ہے کہ ہر طرف سے اندھیروں

میں (پھنسا ہوا ہے) کہ وہاں سے کسی طرف نکل نہیں سکتا (جس طرح مومنوں کے واسطے ایمان آراستہ کیا گیا) اسی طرح کافروں کے واسطے ان کے اعمال (بد) آراستہ کر دیئے گئے ہیں"

(۱) تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں عمار بن یاسر اور ابوجہل کا ذکر ہے پس یہ آیت اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے دو شخصوں سے مخصوص تعلق رکھتی ہے لیکن اس کا مفہوم بالعموم ہر مومن و کافر پر صادق آتا ہے اور اسی طرح بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن کا نزول مخصوص مواقع اور خاص افراد کی شان میں ہوا تھا لیکن ان کے مفہوم میں اتنی وسعت موجود ہے کہ اگر حالت مناسب ہوں تو ہر زمانہ کے مواقع اور افراد اس کے مصداق بن سکتے ہیں۔

(۲) اس آیت میں بھی "موت" سے مراد کفر و جہل عن الحق ہے اور "حیات" سے مقصود ہدایت و معرفت حق ہے جیسا کہ بعض آیات میں اس سے پہلے گذر چکا ہے اور "نور" سے مراد امام و مقتدا ہے چنانچہ اصول کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے "ولنوراً نمیشی بہ فی الناس اماماً یؤتم بہ" یعنی وہ امام جس کی اقتدا کی جائے۔ اس قول معصومؑ پر نظر کرنے سے آیت کا مطلب بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ مزید احتیاج تشریح باقی نہیں رہتی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۵

"اور (جس طرح کہ مکہ میں ہے) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کو سردار بنایا تاکہ جالبازی کرتے رہیں"

اس آیت میں بھی "جعلنا" سے وہی مقصود ہے جو اس سے پہلے آیہ "کذلک جعلنا لکل نبی الآیہ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۔

"اور یہ جب ان کے پاس کوئی نشانی (نبی کی تصدیق کے لیئے) آتی ہے تو کہتے ہیں جب تک ہم کو خود ویسی چیز (وحی وغیرہ) نہ دی جائے گی جو پیغمبران خدا کو دی گئی ہے اس وقت تک ہم ایمان نہ لائیں گے، اور خدا جہاں اپنی پیغمبری کو قرار دیتا ہے اسکو خوب جانتا ہے۔"

اس آیت کی شان نزول میں مفسرین کے دو قول ہیں بعض نے کہا ہے کہ ولید بن مغیرہ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر نبوت حق ہوتی تو میں اس کا بہ نسبت محمدؐ کے زیادہ مستحق ہوں کیونکہ میں ان سے سن میں بڑا ہوں اور مال و اولاد و جود و جاہت کے اسباب بھی زیادہ رکھتا ہوں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ابوجہل بن ہشام نے کہا تھا کہ جب ہم فضل و شرف میں بنی عبد مناف کے مقابل نکلے اور وہ ہم سے بڑھ نہ سکے تو یہ دعوی کرنے لگے کہ ان میں ایک نبیؐ مبعوث ہوا ہے جس پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ پس جب تک محمدؐ کی طرح ہم پر بھی وحی نازل نہ ہوگی کبھی ایمان نہ لائیں گے۔

بہرحال سبب نزول کوئی بھی ہو اتنا خود آیت سے ظاہر ہے کہ اکابر کفار جب معجزات دیکھکر مبہوت و بے جواب ہو جاتے تو کمال حسد و عناد سے کہتے تھے کہ جب تک ہم کو منصب نبوت نہ ملے گا اور وحی نازل نہ ہوگی ایمان نہ لائیں گے۔ کیونکہ ہم محمدؐ کے تابع نہیں رہا چاہتے۔ اس کا جواب خداوند عالم نے یہ دیا کہ نبوت و وحی کا استحقاق شرافت اور وجاہت ظاہری سے نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اس کا مدار خصائص نفسانیہ و فضائل روحانیہ پر ہے جس کو خدا تم سے بہتر جانتا ہے اور اس اعتبار سے جسکو اہل سمجھتا ہے یہ منصب عطا کرتا ہے لہذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگرچہ تمام نفوس و ارواح ماہیت کے اعتبار سے مساوی بھی ہوں لیکن خصائص کے لحاظ سے بہت بڑا فرق رکھتی ہیں۔ اور اسی سبب سے تمام انبیاءؑ کے مراتب بھی یکساں نہیں ہوئے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۵

"تو خدا جس شخص کو راہ راست دکھلانا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام (کی ودیعت) کیواسطے صاف اور کشادہ کر دیتا ہے اور جسکو گمراہی کی حالت میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ دشوار گزار کر دیتا ہے گویا (قبول ایمان) اس کے لئے آسمان پر چڑھنا ہے، جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا ان پر برائی کو بس اسی طرح مسلط کر دیتا ہے۔"

کتاب توحید وغیرہ میں یہ روایت منقول ہے:-

maablib.org

عن الرضا علیه السلام انه سئل عن هذه الآیة فقال
من یرد الله ان یهدیه بایمانه فی الدنیا والی جنته
ودار کرامته فی الآخرة یشرح صدره للتسلیم لله
والثقة به والسکون الی ما وعده من ثوابه حتی یطمئن
الیه ومن یرد ان یضله عن جنته ودار کرامته فی الآخرة
لکفره وعصیانه له فی الدنیا یجعل صدره ضیقاً حرجاً
یشک فی کفره ویضطرب فی اعتقاد قلبه حتی یصیر
کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل الله الرجس علی الذین
لا یؤمنون —

"امام رضاؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس کے متعلق خدا کا یہ ارادہ ہو کہ دنیا میں اسے ایمان کی جانب رہنمائی کرے اور آخرت میں اپنی جنت اور مقام عزت کی طرف رہبری کرے تو اس کے سینے کو منزل تسلیم و اعتماد و سکون بوعدہائے خداوندی بنا دیتا ہے حتی کہ وہ بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور جس کے متعلق یہ ارادہ ہو کہ وہ دنیا میں اپنے کفر و عصیان کرنے کی وجہ سے آخرت میں اس کی جنت اور مقام عزت سے بیگانہ رہے تو اس کے سینے کو بالکل تنگ بنا دیتا ہے وہ اپنے قلبی اعتقاد میں مضطرب اور اپنے کفر میں (بھی) مشکوک رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اسے آسمان پر چڑھنے کی زحمت دی جا رہی ہو — خدا یوں ہی برائی کو ایسے لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے"۔

اس کلام معصوم سے چند باتیں معلوم ہوئیں:—

اول یہ کہ ارادہ ہدایت و اضلال سے دنیا میں ایمان و کفر پر مجبور کرنا مراد نہیں ہے بلکہ مومنین کو آخرت میں جنت و دار کرامت کی طرف ہدایت کرنا اور کافرین کو اس سے دور رکھنا مقصود ہے اور یہ ہدایت و اضلال دنیا میں قبول ایمان اور کفر و معصیت کی جزا ہوگا۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن میں موجود ہیں جو ابتدائے حواشی میں نقل کر دی گئی ہیں—

دوم یہ کہ دنیا میں مومنین کو یہ جزائے ایمان ملتی ہے کہ ان کے سینے تسلیم و رضا کے لئے کشادہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اور مواعید الٰہیہ پر اعتماد و اطمینان حاصل کرنے میں توفیق الٰہی ان کی مدد کرتی ہے۔ برخلاف اس کے کفار کو ان کے کفر و عصیان کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ سینے تنگ کر دیئے جاتے ہیں جس سے ہمیشہ شک میں گرفتار اور اعتقاد قلبی میں ایسے مضطرب رہتے ہیں گویا آسمان پر چڑھ رہے ہیں جو اضطراب اس حالت میں دل کو ہو سکتا ہے ویسا ہی قبول حق کی طرف سے ان کے قلوب میں پیدا ہوتا ہے—

اس تاویل کی صحت خود آیت کے آخری جملے "کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون" سے بوجہ اتم ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہاں رجس سے بنا بر اقوال مفسرین عذاب یا لعنة مراد ہے (اور دونوں کا مآل ایک ہی ہے) اور اس کو "لا یومنون" کہہ کر عدم ایمان کی جزا قرار دیا ہے اور "کذلک" فرما کر اس کو تضییق صدر سے تشبیہ دی ہے جس سے محصل کلام یہ ہوا کہ ہم ایمان قبول نہ کرنے والوں پر آخرت میں عذاب اسی طرح کریں گے جس طرح

دنیا میں ان کے سینوں کو تنگ کر دیا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ عذاب آخرت کی طرح تضییق صدر بھی اختیار کفر و ایمان قبول نہ کرنے کی جزا قرار دی گئی ہے اور یہ دنیاوی جزا ہے اگر اس مطلب کی صحت تسلیم نہ کی جائے تو یہ کلام الٰہی کہ "ہم ایمان نہ لانے والوں کے سینے تنگ کر دیتے ہیں"۔ صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کہنا درست ہوتا کہ ہم "جن لوگوں کے سینے تنگ کر دیتے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے"۔ نیز تضییق صدر کی عذاب آخرت سے تشبیہ درست نہیں ہو سکتی کیونکہ اس صورت میں مشبہ عدم ایمان کی جزا ہوگا۔ اور مشبہ بہ اس کی علت۔ پھر ان دونوں میں وجہ شباہت کیا ہوگی—؟

امام فخر الدین رازی نے مذہب اشاعرہ کی نصرت میں آخر آیت "کذلک یجعل اللہ الرجس الخ" کی تاویل یوں کی ہے کہ کذلک یجعل اللہ الرجس علی قلوب الذین قضی علیهم بانهم لا یومنون" یعنی اسی طرح رجس ان لوگوں کے دلوں پر ڈالتے ہیں جن کی بابت ہم نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں"۔ ہم اس تاویل کی بابت کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اہل عقل خود سمجھ سکتے ہیں کہ آیت سے زبردستی اپنا مدعا ثابت کر دیا گیا ہے پہلے بغیر کسی قرینہ و داعی کے رجس کو قلوب سے متعلق بتایا۔ اور پھر خواہ مخواہ ایک جملہ طویل کا اضافہ کیا جس کے تحمل سے آیت کو صریح انکار ہے اگر ایسے طویل و عریض تصرفات کی گنجائش کسی کلام میں ہوا کرتی ہو تو دنیا کے کسی کلام کی بابت یہ اطمینان نہیں ہو سکتا۔ کہ جو مطلب اس کے موجودہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے وہی مقصود متکلم ہوگا۔ آخر عدم ایمان کا سبب بننے کے لئے تضییق صدر کے بعد کسی اور شے کی بھی حاجت باقی رہ جاتی ہے جس کو رجس سے تعبیر کیا جائے۔ پھر وہ کیا شے ہے؟ اور کیا اس سے بھی زیادہ کوئی ظلم شدید ہو سکتا ہے کہ خدا نے پہلے ایک بے قصور کو ناحق بے ایمان بنانے کا فیصلہ کیا پھر اس کے لئے اتنا اہتمام عظیم کیا کہ سینہ تنگ کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دل پر رجس کا انبار بھی لاد دیا۔ اور پھر آخرت میں عذاب اشد کے لئے بھی آمادہ ہے؟

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ج يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ج وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ٥

"اور (اے رسولؐ وہ دن یاد دلاؤ) جس دن خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا (اور شیاطین سے فرمائے گا) اے گروہ جنات تم نے تو بہتیرے آدمیوں کو (بہکا بہکا کر) اپنی جماعت بڑی کر لی۔ اور آدمیوں میں سے جو لوگ (ان شیاطین کے دنیا میں) دوست تھے کہیں گے اے ہمارے پالنے والے (دنیا میں) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور (اپنے کئے کی سزا پانیکو) جو وقت تو نے ہمارے لئے معین کیا تھا اب ہم اپنے اس وقت (قیامت) میں پہنچ گئے"۔

یہ آیت صریح طور سے بتا رہی ہے کہ اضلال شیاطین کا کام ہے نہ کہ خداوند عالم کا۔ اگر ایسا نہ ہو تو شیاطین کی ملامت و توبیخ بالکل بے محل ہوگی اپنے فعل کو دوسروں کی طرف منسوب کر کے درپے ملامت و سرزنش ہونا کونسا انصاف ہے نیز اس صورت میں اولیائے شیاطین کبھی یہ نہ کہتے کہ "استمتع بعضنا ببعض الخ" بلکہ اس کا جواب یہی دیتے کہ پروردگار تو نے ہی تو ہمکو بہکا کر شیاطین کا ولی بنا دیا تھا پھر یہ عتاب کیوں ہے؟ ممکن ہے کہ جواب مذکور میں بھی ان کو مجبور تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ اپنی برأت ظاہر کرنے کے لئے خداوند عالم یہ کلام ان کی زبانوں پر مجبوراً خلق کر دے گا وان ھذا الظلم عظیم۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝

"اور یہ (پیغمبروں کا بھیجنا صرف) اس وجہ سے ہے کہ تمہارا پروردگار کبھی بستیوں کو ظلم و زبردستی سے وہاں کے باشندوں کے غفلت کی حالت میں ہلاک نہیں کیا کرتا"

یہ آیت عدل الٰہی کی دلیل بیّن ہے۔ اس کو پیش نظر رکھ کر ان تمام متشابہ آیات کے معانی حقیقیہ کی طرف ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے جن کے ظاہری معنوں سے مسئلہ جبر میں تمسک کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ بندوں کو ان افعال پر معذب کیا جائے جو ان کے اختیار سے صادر نہیں ہوئے بلکہ درحقیقت وہ خدا ہی کے افعال ہوں۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعثت انبیاء و رسل عقلاً واجب تھی تاکہ بندوں پر حجت تمام ہو جائے اور ان کو اس عذر کا موقع باقی نہ رہے کہ ہم خیر و شر سے واقف نہیں تھے، اگر بغیر بعثت انبیاء و توضیح احکام بندوں پر عذاب نازل کیا جاتا تو حقیقی معنوں میں ظلم و جور لازم آتا جس سے کوئی صحیح العقل انکار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اشاعرہ کا یہ قول قابل قبول ہرگز نہیں کہ لفظ "ظلم" یہاں محض تشبیہ و مجاز کے طور پر وارد کی گئی ہے ورنہ حقیقۃً ایسا کرنے میں ظلم لازم نہیں آتا کیونکہ خدا جس طرح چاہے اپنے بندوں میں تصرف کرے وہ ظلم نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے تو ظلم کی لفظ معنی حقیقی سے بالکل خالی نظر آئے گی۔ اور کوئی اس کا واقعی مصداق فرض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خدا کے کسی فعل کو خواہ وہ کیسا ہی ہو ظلم کا مصداق نہیں ٹھہرا سکتے اور بندوں کا کوئی فعل ان کے اختیار سے صادر نہیں ہوتا۔ جو درحقیقت اللہ کا فعل قرار پائے اور ظلم کا مصداق ٹھہرے لہٰذا یہ ایسی لفظ ہوگی جس کے معنی محض ظرف خیال و تصور تک محدود ہونگے سارا عالم واقع اس کے مصداق سے خالی ہوگا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى

اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

"اور یہ لوگ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور چوپایوں میں سے حصہ قرار دیتے ہیں اور اپنے خیال کے موافق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا (حصہ) ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا (یعنی جن کو ہم نے خدا کا شریک بنایا) پھر جو خاص ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہونچنے کا اور جو حصہ خدا کا ہے وہ اس کے شریکوں تک پہونچ جاتا ہے یہ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں"

عرب کے مشرکین اپنے کھیتوں اور جانوروں میں سے کچھ حصہ خیرات کے واسطے نکالتے تھے مگر کھیتوں میں خط کھینچ کر ایک حصہ خدا کا اور ایک بتوں کا قرار دیتے تھے۔ اور اسی طرح جانوروں میں علٰحدہ علٰحدہ حصے معین کر دیتے تھے، لیکن اگر کبھی یہ دیکھتے کہ خدا کے حصے کا کھیت یا جانور بہتر ہے تو اس کو بتوں کی طرف کر دیتے اور اگر بتوں کا حصہ بہتر ہوتا تو اس کو خدا کی طرف نہیں لاتے تھے، اسی طرح اگر اتفاقاً بتوں کے حصے کی کوئی چیز خدا کے حصے میں جا پڑتی تو اس کو الگ کر لیتے اور اس کے برعکس خدا کے حصہ کی چیز بتوں کے حصہ میں مل جاتی تو علٰحدہ نہیں کرتے تھے، اور اس کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ خدا غنی ہے اور اصنام محتاج ہیں۔ ان ہی باتوں کی طرف اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۚ

"اور اسی طرح بہتیرے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے اپنے بچوں کے مار ڈالنے کو اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انھیں (ابدی) ہلاکت میں ڈالدیں اور ان کے سچے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں"

ایام جاہلیت میں لڑکیوں کو مار ڈالنے کی رسم قبیح رائج تھی اور شرافت کا ثبوت خیال کیجاتی تھی۔ اس آیت میں اسی رسم قبیح پر ملامت کی گئی ہے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ ۝

"اور یہ لوگ اپنے خیال کے موافق کہنے لگے کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی اچھوتی ہے ان کو سوائے اس کے جسے ہم چاہیں کوئی نہیں کھا سکتا"

اس آیت نیز اس کے بعد کی آیتوں میں وہ رسوم و احکام مذکور ہیں جو کفار نے اپنی نذر و نیاز کی بابت جاری کر رکھے تھے۔ اور اس تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان باطل رسوم و احکام سے نفرت دلائی جائے اور ان تخیلات و توہمات کی قباحت واضح کر دی جائے جن پر ان رسوم کی بنا قائم کی گئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ

"اور وہ تو وہی خدا ہے جس نے بہتیرے باغ پیدا کئے (جن میں مختلف اقسام کے درخت ہیں کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور (کچھ) بے چڑھائے ہوئے اور درخت اور کھیتی جنکے پھل (مزے میں) مختلف قسموں کے ہیں"

پروردگار عالم نے پہلے کفار مشرکین کے افعال کی حکایت کی کہ وہ بعض اشیاء کو بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے تھے نیز اپنے توہمات کی بنا پر چیزوں کو حلال و حرام قرار دیتے تھے۔ لہذا اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا کہ تمام اشیاء خداوند عالم کی خلق کی ہوئی ہیں۔ پھر کسی چیز کو بتوں کے لئے مخصوص کرنے یا اپنی مرضی سے حرام و حلال قرار دینے کا حق بندوں کو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

"اور ان چیزوں کے کاٹنے کے دن خدا کا حق ہے (زکوٰۃ) دیدو اور خبردار فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ وہ (خدا) فضول خرچوں سے ہرگز الفت نہیں رکھتا"

اس سے مراد مستحبی زکوٰۃ و خیرات ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم کھیتی کاٹنے کے دن غرباء و مساکین کو بھی حسب استطاعت (اس دن) کچھ دیدو۔ "ولا تسرفوا" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اس خیرات دینے میں اعتدال پر نظر رہے ایسا نہ ہو کہ سب کچھ دیکر اپنے اور عیال کو مشقت میں ڈالدو۔

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۝

"(خدا نے نر و مادہ ملاکر) آٹھ (قسم کے) جوڑے پیدا کئے ہیں بھیڑ سے (نر و مادہ) دو۔ اور بکری سے (نر و مادہ) دو"

"ازواج" اس لئے بتایا ہے کہ ہر ایک فرد اصناف مذکورہ کی دوسری صنف کی زوج ہے مذکر کا زوج مونث ہے اور مونث زوج مذکر۔

قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

"(اے رسول! ان کافروں سے) پوچھو تو کہ خدا نے ان دونوں (بھیڑ بکری) کے دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے۔ یا دونوں مادینوں کو یا اس بچہ کو جو ان دونوں مادینوں کے پیٹ کے اندر ہے؟ اگر تم سچے ہو تو ذرا سمجھکر مجھے بتاؤ۔"

اس آیت سے کفار مشرکین پر جو احتجاج کیا گیا ہے اس کی تقریر صاحب تفسیر مجمع البیان نے یوں کی ہے۔

"انما ذكر الله سبحانه هذا على وجه الاحتجاج عليهم بيّن به فريتهم وكذبهم على الله فيما ادعوا من ان ما في بطون الانعام حلال للذكور وحرام على الاناث وغير ذلك مما حرموا فانهم لو قالوا حرم الذكرين لزمهم ان يكون كل ذكر حراماً ولو قالوا حرم الانثيين لزمهم ان يكون كل انثى حراماً ولو قالوا حرم ما اشتمل عليه ارحام الانثى من الضأن والمعز لزمهم تحريم الذكور والاناث فان ارحام الاناث تشتمل على الذكور والاناث ولم يكونوا يفعلون ذلك بل كانوا يخصون بالتحريم بعضاً دون بعض فقد لزمتهم الحجة۔"

"اسے خدا نے مشرکین پر حجت تمام کرنے کے لئے ذکر کیا ہے اور ان کے اس کذب و افترا کو ظاہر کیا ہے جس کے وہ مدعی تھے کہ چوپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہوتے ہیں وہ صنف ذکور کے لئے حلال اور صنف اناث پر حرام ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اگر وہ اس کے قائل ہیں کہ خدا نے دونوں صنف کے نر حرام کئے ہیں تو تمام نروں کو حرام ہونا چاہئے۔ اگر وہ کہیں کہ دونوں صنف کی مادینیں حرام ہیں ...... تو تمام مادینوں کو حرام ہونا چاہئے۔ اور اگر وہ کہیں کہ مادینوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ حرام ہیں تو تمام نر و مادہ کو حرام ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ مادہ کے پیٹ میں نر بھی ہوتے ہیں اور مادہ بھی لہذا اس قسم کے سب حرام ہونگے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے نر ہوں یا مادہ، حالانکہ وہ لوگ عملاً ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ بعض کو حرام کہتے تھے اور بعض کو حلال۔ لہذا ان پر اس آیت سے حجت تمام ہو جاتی ہے"

امام فخر الدین رازی نے اس تقریر کی بابت فرمایا ہے:۔

"هذا ما اطبق عليه المفسرون في تفسير هذه الآية وهو عندي بعيد جداً لان لقائل ان يقول هب ان هذه الانواع الاربعة اعني الضأن والمعز والابل والبقر محصورة في الذكور والاناث لا يجب ان تكون

"اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ بالا تفسیر تمام مفسرین نے کی ہے مگر میرے نزدیک درست نہیں ہے اس لئے کہ کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ فرض کیجئے کہ یہ چاروں صنفیں یعنی بھیڑ، بکری، اونٹ، اور گائے صرف نر و مادہ میں منحصر نہیں ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ

علة تحريم ما حكموا بتحريمه محصورة في الذكورة والانوثة بل علة تحريمها كونها بحيرة او سائبة او وصيلة او حاما او سائر الاعتبارات۔

جن چیزوں کے حرام ہونے کو انھوں نے کہا ہے ان کی علت نر و مادہ ہونے میں منحصر ہو۔ بلکہ ان کے حرام ہونے کی علت ان کا بحیرہ (کن کٹی اونٹنی) یا سائبہ (سانڈ) یا وصیلہ (جڑواں بچہ) یا حام (بوڑھا سانڈ) ہونا ہو یا اور دوسرے اعتبارات علت ہوں۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

والاقرب عندي فيه وجهان (احدهما) ان يقال ان هذا الكلام ما ورد على سبيل الاستدلال على بطلان قولهم بل هو استفهام على سبيل الانكار يعني انكم لما تقرون بنبوة نبي ولا تعرفون شريعة شارع فكيف تحكمون بان هذا يحل وان ذلك يحرم۔ و ثانيها ان حكمهم بالبحيرة والسائبة والوصيلة والحام مخصوص بالابل فالله تعالى بين ان النعم عبارة عن هذه الانواع الاربعة فلما لم تحكموا بهذه الاحكام في الاقسام الثلاثة وهي الضأن والمعز والبقر فكيف خصصتم الابل بهذا الحكم على التعيين فهذا ما عندي في هذه الآية والله اعلم۔

"میرے نزدیک اس بارے میں دو وجہیں درست ہیں۔ اولیٰ یہ کلام خداوندی مشرکین کی رد میں بطور استدلالی نہیں وارد ہوا ہے بلکہ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی تم لوگ جب کسی نبی کی نبوت کے مقر نہیں اور کسی شارع کی شریعت سے آگاہ نہیں تو تم یہ حکم کس طرح لگاتے ہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام ہے۔ دوم یہ کہ وہ لوگ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کا جو حکم لگاتے تھے وہ صرف اونٹ کی صنف میں تو خدا نے فرمایا کہ چوپایوں کی تو چار قسمیں ہیں تو تم باقی تین قسموں میں بھی احکام کیوں نہیں جاری کرتے ہو اور اونٹ ہی کو کیا خاص معین طور پر کیوں مخصوص کر رکھا ہے، اس آیت کے ذیل میں میری تحقیق یہی ہے اور خدا بہتر جانتا ہے۔"

اگر غور سے دیکھا جائے تو فخر الدین رازی نے جو اعتراض مفسرین پر وارد کیا ہے اوس کا جواب خود ان کی بیان کی ہوئی وجہ آخر سے معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اوس سے آشکارا ہوا کہ مشرکین انواع اربعہ میں سے صرف ایک صنف پر بحیرۃ و سائبہ و وصیلہ و حام ہونے کا حکم کرتے تھے، حالانکہ حکم تحریم میں اس صنف کی تخصیص نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ حکم ان کے نزدیک تمام انواع میں جاری تھا پس اگر اوصاف مذکورہ ہی کو علت حرمت قرار دیتے تو حکم کو عام نہ کرتے، اس تعمیم حکم حرمت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف علت حرمت اوصاف مذکورہ نہیں بلکہ ذکورۃ و انوثۃ بھی تھی، یہ اور بات ہے کہ ایک صنف مخصوص میں انھوں نے اوصاف مذکورہ کو وجوہ حرمت میں داخل کر لیا تھا، رہے اور جملہ اعتبارات جن کو "وسائر الاعتبارات" فرما کر مجمل رکھا ہے اُن کی بابت یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ مشرکین اُن کو علت حرمت قرار دیتے تھے، یہاں بحث اسکی ہے کہ اُن مشرکین کے معتقدات کیا تھے اور احتجاج قرآنی اون پر تمام ہوا یا نہیں۔ لہذا اس مقام میں محض

یہ فرض کہ دیگر اعتبارات بھی علت حرمت بن سکتے ہیں۔ کام نہیں دے سکتا۔ بلکہ یہ ثابت کرنا بھی لازم ہے کہ وہ لوگ اُن اعتبارات کو علت حرمت سمجھتے بھی تھے۔

رہی وہ پہلی وجہ جس کا اس مفسر نے افادہ فرمایا ہے اس کی صحت میں شبہ نہیں، کیونکہ خداوند عالم نے نبئونی بعلم فرما کر یہی تعریض کی ہے کہ تم جو اشیاء کو حلال و حرام قرار دیتے ہو تو آخر اس حرمت و حلت کا علم تمکو کیونکر ہوا۔ درآنحالیکہ اس کا اقرار بھی ہے کہ تم میں نہ کوئی نبی مبعوث ہوا اور نہ کوئی شریعت آئی۔ لیکن یہ وجہ مفسرین کے بیان کئے ہوئے مطلب سے کوئی مخالفت نہیں رکھتی بلکہ درحقیقت دونوں صحیح ہیں یعنی اس نے پہلے تو مشرکین پر یہ تعریض کی ہے کہ تمہیں حلت و حرمت کا علم کیونکر ہوا جو کسی شئے کو حلال اور دوسری کو حرام بتلاتے ہو اور پھر ان کے احکام حلت و حرمت کو محض تخیل فاسد و وہم باطل کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے وہ حجت بیان فرمائی جس کی تقریر مفسرین نے واضح طور سے کی ہے اور ہم نے یہاں تفسیر مجمع البیان سے نقل کی ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ
مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ
لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

"(اے رسول) تم کہو کہ میں تو جو (قرآن) میرے پاس وحی کے طور پر آیا ہے اس میں کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو اس کو کھائے حرام نہیں پاتا مگر جبکہ وہ مردہ یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو تو بے شک یہ (چیزیں) ناپاک (اور حرام) ہیں یا وہ (جانور نافرمانی کا باعث) ہو کہ (وقت ذبح) خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا گیا ہو پھر جو شخص (ہر طرح) بے بس ہو جاوے (اور) نافرمان و سرکش نہ ہو (اور اس حالت میں کھائے) تو البتہ تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت نیز بعض دیگر آیات میں فقط چار حرام چیزوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اون کی حرمت نہایت شدید و غلیظ تھی اور جن کفار عرب کے مقابلہ میں حلت و حرمت اشیاء کی بحث ہو رہی تھی وہ ان محرمات کو حلال سمجھتے تھے لہذا ضرورت ہوئی کہ ان چیزوں کی حرمت مکرر، تاکید کے ساتھ واضح کر دی جائے باقی دیگر محرمات کو رفتہ رفتہ یا تو نص قرآنی

ظاہر کیا گیا یا وحی غیر قرآنی کے ذریعہ رسولؐ کو بتایا اور آپ نے امت پر واضح کر دیا۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

"اور ہم نے یہودیوں پر تمام ناخن دار جانور حرام کر دیئے تھے، اور گائے اور بکری دونوں کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھیں۔ مگر جو چربی ان دونوں کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہو یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو (وہ حلال تھی) یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی، اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ ہم ضرور سچے ہیں۔"

اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ بعض وہ ماکولات جو اہل اسلام پر حلال کی گئی ہیں وہ عہد جناب موسیٰؑ میں بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھیں۔ اور یہ ان کے عصیان اور طغیان کی سزا تھی۔ اسی مطلب کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ "فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم" یعنی یہودیوں کی ظالمانہ روش کی بناء پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں ہم نے ان پر حرام کر دیں۔"

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝

"عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم لوگ شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرتے اسی طرح (باتیں بنا بنا کر) جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہمارے عذاب (کے مزے) کو چکھا (اے رسولؐ) تم کہو کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے (اگر ہے) تو ہمارے (دکھانے کے) واسطے اس کو نکالو (دلیل کو کیا پیش کرو گے) تم لوگ تو صرف

اپنے خیال خام کی پیروی کرتے ہو اور صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔"

خداوند عالم نے پہلے کفار مشرکین کے احکام باطلہ و آراء فاسدہ کو بیان فرمایا اور زجر و توبیخ فرمائی اس کے بعد اون کے اس عذر کی حکایت شروع کی جس سے وہ حقیقی دین الٰہی کے قبول نہ کرنے میں تمسک کرتے تھے اور وہ یہ کہ ہم تو جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا ہی کی مشیت و اختیار سے کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم میں اس کے ترک کرنے کی قدرت کہاں ہے جو اس کی تکلیف دی جاتی ہے۔ خدا کی مشیت کے خلاف کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے اگر وہ چاہتا تو ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے شرک و تحریم اشیاء کچھ بھی وقوع میں نہ آتا۔ خداوند عالم نے اس عذر کو کئی طریقوں سے قبیح و مذموم ٹھہرایا اور بے اصل و باطل ثابت کیا۔

اولاً یہ کہ اس عقیدہ کو استحقاق عذاب کا موجب قرار دیا اور فرمایا کہ امم سابقہ کے لوگ بھی اپنے انبیاءؑ کی تکذیب اسی قول سے کیا کرتے تھے اور جب تک عذاب الٰہی کا ذائقہ نہ چکھ لیا باز نہ آئے۔ پس یہ لوگ بھی جب تک معذب نہ کئے جائیں گے یہ عقیدہ ترک نہ کریں گے۔

دوم۔ اس عقیدہ کو بے اصل ثابت کرنے کے لئے رسولؐ کو حکم دیا کہ ان کفار سے اس کی دلیل طلب کریں۔ کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے اختیار سے نہیں کرتے بلکہ مشیت الٰہی ان کو مجبور کئے ہوئے ہے۔

سوم۔ اس عقیدہ کو محض ظن و تخمین قرار دیا اور صریح الفاظ میں توبیخ و ملامت کی۔

پس معلوم ہوا کہ یہ آیت ابطال عقیدہ جبر پر نص صریح ہے جس پر نظر کرنے کے بعد کسی مرد مسلم کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ اپنے تمام افعال کی علت مشیت الٰہی کو قرار دے اور اپنے نفس کو مضطر بے اختیار سمجھے

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

"(اے رسولؐ) تم کہو کہ (اب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں) خدا تک پہونچانے والی دلیل خدا ہی کیلئے خاص ہے پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کی ہدایت کرتا۔"

(۱) اصول کافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے:۔

ان للہ علی الناس حجتین، حجۃ ظاہرۃ وحجۃ باطنۃ فاما الظاہرۃ فالرسل والانبیاء والائمۃ واما الباطنۃ فالعقول۔ "خدا کی لوگوں پر دو حجتیں ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری حجت تو انبیاءؑ و رسل و ائمہؑ ہیں اور باطنی حجت عقل ہے۔"

(۲) یہ آیت آیہ سابقہ کا تتمہ ہے اور محصل اوس کا یہ ہے کہ اے رسولؐ ان لوگوں سے کہو کہ خدا کی حجت بالغہ تم پر تمام ہو چکی ہے جس سے تمہارے دعوائے بے اختیاری صحیح نہیں رہ سکتا۔ اس نے تمہیں کامل عقلیں عطا کیں اور اعضاء و جوارح میں قوت مرحمت فرمائے، عمل خیر و ترک شر پر قدرت دے اور تمام اعذار و موانع کو دفع کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہدایت کے لئے رسل و انبیاء وائمہ بھی بھیجے پس تمہارا یہ دعوی کہ ایمان و اطاعت سے عاجز و مجبور ہو کس طرح درست ہو سکتا ہے اور اگر تم چاہتے ہو تو عمل خیر و ترک شر سب کچھ کر سکتے تھے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِا
لْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ
وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ
كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ
وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

"(اے رسول) تم ان سے کہدو کہ آؤ جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کی ہیں وہ میں تمہیں پڑھکر سناؤں (وہ) یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالنا (کیونکہ) ان کو اور (خود) تمکو رزق دینے والے تو ہم ہیں اور بدکاریوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور کسی جان والے کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کیا ہے نہ مار ڈالنا مگر (کسی) حق کے عوض میں یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ لیکن اس طریقہ پر کہ (اس کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی حد کو پہونچ جائے اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پوری کیا کرو ہم کسی شخص کو اسکی طاقت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتے اور (اچاہے کچھ ہو مگر) جب بات کہو تو انصاف سے اگرچہ وہ

(جس کے تم خلاف کہو) تمہارا عزیز ہی کیوں نہ ہو اور خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو، یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔ اور یہ (بھی سمجھ لو) کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستے سے (بھٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو"

کسی دین کی حقیقت اور افضلیت کے جانچنے کا معیار صرف یہی ہے کہ وہ حقیقی توحید کی طرف دعوت دیتا ہو اور تہذیب اخلاق و اصلاح معاشرت کے بہترین اصول تعلیم کرتا ہو۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس معیار پر دین اسلام جتنا کامل ظاہر ہوتا ہے کوئی دین ادیان عالم میں سے اوس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کی بے شمار آیات سے مل سکتا ہے۔ منجملہ اون کے چند آیتیں یہ بھی ہیں جو صراط مستقیم کی طرف قدم بڑھانے والے کے لئے شمع ہدایت بن سکتی ہیں اور دین اسلام کی حقیقت و افضلیت کو روشن کر دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتیں، بشرطیکہ چشم بصیرت تقلید و تعصب سے آفت رسیدہ نہ ہو گئی ہو۔

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ
آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ

"جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اپنے مومن ہونے کی حالت میں کوئی نیک کام نہیں کیا ہوگا تو اب اس کا ایمان لانا اس کو کبھی مفید نہ ہوگا۔ اے رسول تم (ان سے) کہدو کہ (اچھا یونہی سہی) تم (ابھی) انتظار کرو ہم بھی یقیناً انتظار کرتے ہیں"

"بعض آیات" سے مراد علامات قیامت ہیں۔ مثلاً آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا۔ دجال کا خروج وغیرہ

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا
يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

"(اس کی رحمت تو دیکھو) جو شخص نیکی کرے گا تو اس کو اس کا دس گنا ثواب عطا ہوگا۔ اور جو شخص بدی کرے گا تو اس کی سزا اس کو بس اتنی ہی دی جائے گی، اور وہ لوگ (کسی طرح) ستائے نہ جائیں گے۔"

تفسیر مجمع البیان میں صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے :-

لما نزلت هذه الآية من جاء بالحسنة فله خير منها قال رسول الله صلعم رب زدني فانزل الله سبحانه من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔

"جب آیۂ من جاء بالحسنة فله خير منها" نازل ہوا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا میرے مالک میرے لئے اضافہ کر تو خدا نے کریم نے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها نازل فرمایا —

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

"اور وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے تمہیں زمین میں (اپنا) نائب بنایا اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کئے تاکہ جو (نعمت) تمہیں دی ہے اسی میں تمہارا امتحان کرے اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارا پروردگار بہت جلد عذاب کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے "

"خلائف فی الارض" بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمکو روئے زمین کی مخلوقات پر قدرت تصرف عطا کی جسطرح چاہتے ہو ان کو کام میں لاتے ہو۔ اور وہ تمہارے تابع و خدمت گذار بنجاتی ہیں —

اسی مطلب کو اس آیت میں واضح طور سے بیان کیا ہے " ولقد مكناكم في الارض وجعلنا لكم فيها معايش " یعنی ہم نے تمہیں زمین پر اقتدار عطا کیا اور اس میں تمہارے لئے امور معاشر کو قرار دیا"

سُوْرَۂ اعراف

اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے چونکہ اس کا ذکر اس سورہ میں کیا گیا ہے، اس لئے نام بھی سورۂ اعراف رکھا گیا —

الٓمّٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

"المص (اے رسولؐ) یہ کتاب خدا (قرآن) تم پر نازل کی گئی تاکہ تم اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو عذاب خدا سے) ڈراؤ

اور ایمانداروں کے لئے نصیحت کا باعث ہو پس تمہارے دل میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ پیدا ہو"

آنحضرتؐ کفار کے ایمان نہ لانے اور ہدایت قبول نہ کرنے سے نہایت تنگدل رہا کرتے تھے۔ خداوند عالم نے بغرض تسکین قلب رسولؐ اس آیت اور دیگر آیات میں بھی ان سے فرمایا کہ تم تنگدل نہ ہو۔ اگر کفار تمہاری باتیں نہیں مانتے نہ سہی۔ تمہارا کام فقط تبلیغ احکام ہے اور بس —

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

"اور اس دن (اعمال کا) تولا جانا بالکل ٹھیک ہے جن کے (نیک اعمال کے) پلّے بھاری ہوں گے۔ وہی لوگ فائز المرام ہوں گے"

احتجاج طبرسی میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے :-

انه سئل اوليس توزن الاعمال قال لا لان الاعمال ليست اجساماً وانما هي صفة ما عملوا وانما يحتاج الى وزن الشيء من جهل عدد الاشياء ولا يعرف ثقلها وخفتها وان الله لا يخفى عليه شيء قيل فما معنى الميزان قال العدل قيل فما معناه في كتابه فمن ثقلت موازينه قال فمن رجح عمله —

"حضرت (صادقؑ) سے سوال کیا گیا کہ کیا اعمال وزن نہیں کئے جائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا " نہیں کیونکہ اعمال اجسام نہیں ہیں بلکہ صرف صفت کردار ہیں۔ اور کسی چیز کے تولنے کی اس کو ضرورت ہے جو اشیاء کی تعداد نہیں جانتا اور ان کے ہلکے اور بھاری پن کو نہیں پہچانتا۔ اور اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ عرض کیا گیا کہ میزان کے کیا معنی ہیں۔ آپنے فرمایا کہ عدل۔ عرض کیا گیا کہ اسکی کتاب (قرآن) میں "فمن ثقلت موازينه" کے کیا معنی ہیں آپنے فرمایا۔ جس کا عمل رجحان رکھتا ہوگا یا قابل ترجیح ہوگا —"

صاحب تفسیر صافی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں (ص۱۸۰ مطبوعہ ایران)

اقول وسر ذلك ان ميزان كل شيء هو المعيار الذي يعرف به قدره ذلك الشيء فميزان الناس يوم القيامة ما يوزن به قدر كل انسان وقيمته على حسب عقيدته وخلقه وعمله لتجزى كل نفس بما كسبت وليس ذلك الا الانبياء والاوصياء اذ بهم وباتباع شرائعهم واقتفاء آثارهم وترك ذلك وبالقرب من سيرتهم والبعد عنها

"میں کہتا ہوں کہ اس کا راز یہ ہے کہ ہر شے کی میزان وہ معیار ہے جس کے ذریعہ سے اس شئے کی قدر و منزلت پہچانی جائے پس روز قیامت لوگوں کی میزان وہ ہوگی جس کے ذریعہ سے ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عقیدہ اور اخلاق اور عمل کے مطابق وزن کرلی جائے گی تاکہ ہر متنفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور یہ (میزان) سوائے انبیاءؑ اور

يعرف مقدار الناس وقدر حسناتهم وسيئاتهم - ميزان كل امة هو نبي تلك الامة ووصي نبيها والشريعة التي اتى بها فمن ثقلت حسناته وكثرت فاولئك هم المفلحون ومن خفت وقلت فاولئك الذين خسروا انفسهم بظلمهم عليها من جهة تكذيبهم للانبياء والاوصياء وعدم اتباعهم في الكافي والمعاني عن الصادق انه سئل عن قول الله ونضع الموازين القسط ليوم القيامة قال هم الانبياء والاوصياء۔

ائمہ کے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اُن سے اور ان کی شریعتوں کی اتباع سے اور ان کے نشان قدم پر چلنے سے اور ان کی پیروی کے ترک کرنے سے اور ان کی سیرتوں سے نزدیکی اور دوری ہی کے ذریعہ سے انسانوں کی قدریں اور ان کی نیکی بدی پہچانی جاتی ہیں اور ہر امت کی میزان اس امت کا نبی اور اس کے نبی کا وصی ہے اور خود شریعت جس کو وہ لایا ہے۔ پس جس کے حسنات وزنی اور کثیر ہونگے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جس کے حسنات سبک اور قلیل ہوں گے پس یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے انبیاء و اوصیا کی تکذیب اور عدم اتباع کے ذریعہ اپنے نفسوں پر ظلم کر کے اپنا نقصان کیا۔ کافی اور معانی الاخبار میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے قول خدا ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ انبیاء و اوصیاء ہیں۔"

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

"شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے میری راہ ماری تو میں بھی تیری سیدھی راہ پر بنی آدم کے (گمراہ کرنے کے لئے) تاک میں ضرور بیٹھوں گا۔"

"اغوا" سے مراد تکلیف سجود دینا ہے جس سے ابلیس غوایت میں پڑ گیا۔ اسی تکلیف کے وقت وہ مبتلائے غوایت ہوا تھا اس لئے اس نے "اغوا" کو خدا کی طرف نسبت دی۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ مسئلہ جبر کا معتقد ہو کر فی الحقیقت اغوا کو ذات الٰہی کی طرف منسوب کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ خدا ہی نے اس کو گمراہ کر دیا ہے تو یہ عقیدہ اور قول ابلیس کا ہے جو حجت نہیں ہو سکتا۔ کہ اس سے مسئلہ جبر کی حقیقت ثابت کی جا سکے درآنحالیکہ اس نے فقط "اپنے نفس" کے اغوا کو خدا کا فعل ٹھہرایا ہے باقی تمام بندوں کا گمراہ کن خود اپنی ذات کو قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ ابلیس کے علاوہ تمام بے قصور بندوں کی گمراہی کی علت خداوند عالم کے اختیار و ارادہ کو قرار دیتے ہیں وہ عقیدہ جبر میں ابلیس سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝

"پھر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے سے اور ان کے بائیں سے (غرض چاروں طرف سے) ان پر آ پڑوں گا (اور ان کو بہکاؤں گا) اور تو ان میں سے بہتیروں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔"

اس کلام کے متعلق جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:۔

ثم لآتينهم من بين ايديهم - معناه اهون عليهم امر الآخرة ومن خلفهم - آمرهم بجمع الاموال والبخل بها عن الحقوق لتبقى لورثتهم وعن ايمانهم - افسد عليهم امر دينهم بتزيين الضلالة وتحسين الشبهة وعن شمائلهم بتحبيب اللذات اليهم وتغليب الشهوات على قلوبهم۔

"ثم لآتينهم من بين ايديهم کے معنی ہیں کہ میں معاملہ آخرت ان کی نظر میں سبک کر دوں گا۔ ومن خلفهم کے معنی ہیں کہ میں ان کو اموال جمع کرنے اور وارثوں کے لئے باقی رکھنے کی غرض سے ادائے حقوق میں بخل کرنے کا حکم دوں گا۔ وعن ايمانهم کے معنی ہیں کہ میں ان کے معاملہ دین کو گمراہی کو مزین کر کے اور شبہہ کو خوشنما بنا کے فاسد کروں گا وعن شمائلهم کے معنی ہیں کہ میں ان کے معاملہ دین کو لذات کو محبوب بنا کے اور شہوات کو ان کے دلوں پر غالب کر کے فاسد کروں گا۔"

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝

"حکم ہوا تم (میاں بی بی اور شیطان) سب کے سب بہشت سے نیچے اترو۔ تم میں سے ایک کا ایک دشمن ہے اور تمہارے لئے ایک (خاص) وقت تک زمین میں ٹھہراؤ (ٹھکانا) اور زندگی کا سامان ہے۔"

(۱) اکثر مفسرین نے اهبطوا کا مخاطب جناب آدم و حوا اور ابلیس کو بتایا ہے اور بعض کا قول ہے کہ صرف جناب آدم و حوا مخاطب ہیں۔ حکم ہبوط کے ساتھ پروردگار عالم نے ان کو خبر دی تھی کہ ان کی اولاد میں باہم عداوت ہوگی۔ اور چونکہ دو شخصوں پر جمع کا اطلاق عرب کے عرف عام میں رائج تھا۔ لہذا جناب آدم و حوا سے بصیغہ جمع "اهبطوا" خطاب بعید نہیں۔ ان دونوں میں سے قول آخر سیاق و سباق کے اعتبار سے بہتر ہے اسکو اہل فہم خود سمجھ سکتے ہیں تفصیل کی حاجت نہیں ہے۔
(۲) امر کا تعلق محض ہبوط سے ہے اور جملہ "بعضكم لبعض عدو" بمنزلہ حال کے واقع ہوا ہے جس سے بنی آدم کی باہمی عداوت کی حالت ظاہر کی گئی ہے جو خود انھیں لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہوگی۔ حکم الٰہی سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

"اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ داداؤں کو پایا اور خدا نے (بھی) یہی حکم دیا ہے (اے رسولؐ) تم (صاف) کہدو کہ خدا ہرگز برے کام کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم لوگ خدا پر (افترا کرکے) وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔"

کفار فواحش کے مرتکب ہوتے تھے اور اُن کو نیک کام تصور کرکے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اُن کو خدا نے اسی کا حکم دیا ہے۔ اس کا جواب خداوند عالم نے دیا کہ ہماری طرف سے برے کاموں کا حکم نہیں دیا جاتا۔ ہر عاقل یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب شان الٰہی امر فواحش سے منزہ و مقدس ہے تو بندوں کے اعضاء و جوارح کے ذریعہ خود فاعل حقیقی بننا اس کے لئے کس طرح مناسب ہوگا۔۔؟

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

"اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنے کو آراستہ کر جایا کرو"

مجمع البیان میں اس آیت کے متعلق جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ:۔

ای خذوا ثیابکم التی تتزینون بها للصلاة فی الجمعات والاعیاد

"یعنی اپنے وہ کپڑے جن سے تم جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے زینت کرتے ہو اختیار کرو"

نیز عیاشی نے روایت کی ہے:۔

کان الحسن بن علیؑ اذا قام الی الصلاۃ لبس اجود ثیابه فقیل له فی ذلک فقال ان الله جمیل یحب الجمال فاتجمل لربی وقرأ الآیة۔

"جناب امام حسن عسکریؑ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو اپنا سب سے عمدہ کپڑا پہنتے تھے۔ اس کے بارے میں آنحضرت سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے لہذا میں اپنے رب کیلئے جمال ظاہر کرتا ہوں اور آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔"

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

"اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ (کیونکہ) خدا فضول خرچ کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا"

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہی لطیف غذا جو زندگی اور تندرستی و توانائی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے اسی وقت تک فائدہ دیتی ہے جبتک کہ اعتدال کا لحاظ رکھا جائے اور اگر اعتدال اور اصول تحفظ صحت پر نظر نہ کی جائے تو موجب ہلاک نفس ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح مال جو امانت خدا اور انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کا وسیلہ ہے اگر احتیاط سے صرف کیا جائے تو راحت و عزت و شہرت کا بہترین وسیلہ ہوتا ہے اور دست دراز تنگ فقر و احتیاج کی ذلت سے محفوظ رکھتا ہے لیکن اگر بے اعتدالی کی راہ اختیار کی جائے تو چند روز کے بعد شدید ضرورتوں کے پورا کرنے کے

بھی باقی نہیں رہ جاتا اور ناقابل برداشت تباہی آجاتی ہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے تمام صحت بخش چیزوں کا کھانا اور باعث زینت لباس کا پہننا اس شرط سے جائز کیا ہے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اس سے کسی معصیت کا قصد نہ کیا جائے بلکہ محض خالق کی رضا جوئی اور اس کے فضل و انعام کا اظہار و اعلان مقصود ہو۔ اس مقام پر جناب صادق آل محمد علیہم السلام کا ایک کلام نقل کیا جاتا ہے جس سے ان آیات کے مطالب کی پوری توضیح ہوتی ہے:۔

العیاشی عن الصادق علیه السلام قال اترى الله اعطى من اعطى من كرامته عليه ومنع من منع من هوان به عليه لا ولكن المال مال الله يضعه عند الرجل ودائع وجوّز لهم ان يأكلوا قصداً ويشربوا قصداً ويلبسوا قصداً وينكحوا قصداً ويركبوا قصداً ويعودوا بما سوى ذلك على فقراء المؤمنين ويلموا به شعثهم فمن فعل ذلك كان ما يأكل حلالاً ويشرب حلالاً ويركب وينكح حلالاً ومن عدا ذلك كان عليه حراماً ثم قال ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين اترى الله ائتمن رجلاً على مال خوّل له ان يشتري فرساً بعشرة آلاف درهم ويجزيه فرس بعشرين درهماً ويشتري جارية بالف دينار ويجزيه بعشرين ديناراً فقال ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين۔

"تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جسکو خدا نے کچھ عطا کیا ہے بربنائے اعزاز عطا کیا ہے؟ اور جسے کچھ نہیں دیا ہے بربنائے توہین نہیں دیا ہے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ مال اللہ کا مال ہے وہ اسکو لوگوں کے پاس امانۃً رکھتا ہے البتہ ان کے لئے جائز کردیا ہے کہ وہ میانہ روی سے کھائیں اور میانہ روی سے پئیں اور میانہ روی سے پہنیں اور میانہ روی سے نکاح کریں۔ اور میانہ روی سے سواری اختیار کریں۔ اور ان کاموں کے علاوہ جو کچھ بچے وہ فقرائے مومنین کو واپس کردیں اور اس کے ذریعہ سے وہ ان کی پریشانیوں کو دفع کریں۔ پس جس نے ایسا کیا وہ جو کھاتا ہے اور جو پیتا ہے اور جو سواری کرتا اور جو نکاح کرتا ہے سب حلال ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اس پر یہ سب استعمالات حرام ہیں۔ پھر فرمایا فضول خرچی نہ کرنا اس لئے کہ خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، کیا تم مناسب سمجھو گے کہ خدا نے ایک شخص کو بطور امانت جو کچھ دیا ہے اس میں سے کیا تو دیکھتا ہے کہ اللہ نے ایک شخص کو ایک مال پر امین کیا وہ دس ہزار درہم کا گھوڑا خرید کرے حالانکہ اس کو بیس درہم کا گھوڑا کافی ہے اور ایک ہزار دینار میں لونڈی خرید کرے حالانکہ اس کو بیس دینار کی لونڈی کافی ہے پھر فرمایا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔"

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

"(اے رسول ان سے) پوچھو تو کہ جو زینت (کے ساز و سامان) اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں کس نے حرام کر دیں۔ تم خود کہدو یہ سب پاکیزہ چیزیں، اس دنیوی زندگی میں (بھی) مومنین کے لئے ہیں (اور) قیامت کے دن انہیں لوگوں کے لئے خاص ہیں، ہم اس طرح اپنی آیتیں سمجھ دار لوگوں کے واسطے تفصیل وار بیان کرتے ہیں"۔

اسلام میں زہد "کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عمدہ لباس اور خوش ذائقہ غذاؤں سے اجتناب کیا جائے اور نفس کو اس کی فطری خواہشوں سے محروم رکھا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسباب راحت و زینت جائز طریقوں سے حاصل کئے جائیں اور ان سے انتفاع میں حد اعتدال ملحوظ رہے ایسا نہ ہو کہ انسان بندہ نفس بنکر جسمانی لذتوں کے پورا کرنے اور زینت و آرائش کی نمائش میں اتنا مشغول ہو جاوے کہ اعتدال کی حد پر قائم نہ رہ سکے۔ اور طیب و غیر طیب حلال و حرام کی تمیز باقی نہ رہ جائے کیونکہ اس صورت میں صحت و دولت اور تمدن و تہذیب کی بنا منہدم ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر ناظرین کی دلچسپی اور فائدہ کے لئے نقل کی جاتی ہیں جن سے شارع کے طرز عمل پر روشنی پڑتی ہے اور اسلامی زہد کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔

عن الصادق علیہ السلام انہ رأه سفیان الثوری وعلیہ ثیاب کثیرۃ القیمۃ حسان فقال الله لا تیتنہ ولا وبخنہ فدنی منہ فقال یا ابن رسول اللہ ما لبس رسول اللہ مثل ھذا اللباس ولا علی ولا احد من آبائک فقال کان رسول اللہ فی زمان قتر مقتر وکان یاخذ لقترہ واقتارہ وان الدنیا بعد ذلک ارخت عزالیہا فاحق اھلہا بہا ابرارھا ثم تلی قل من حرم زینۃ اللہ الآیۃ فنحن احق من اخذ منہا ما اعطاہ اللہ غیر انی یا ثوری ما تری علی من ثوب انما لبستہ للناس ثم اجتذب ید سفیان فجرھا الیہ ورفع الثوب الاعلی واخرج ثوبا تحت ذلک علی جلدہ غلیظا فقال ھذا لبستہ لنفسی

"صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؑ کو سفیان ثوری نے دیکھا کہ آپ بیش قیمت خوشنما لباس پہنے ہوئے ہیں پس اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں ان کی سرزنش کروں گا۔ قریب آ کے بولا کہ یا ابن رسول اللہ جناب رسول خدا نے تو کبھی ایسے کپڑے نہیں پہنے اور نہ جناب علی مرتضیٰؑ نے پہنے اور نہ آپکے آباؤ اجداد میں سے اور کسی نے پہنے، حضرتؑ نے فرمایا کہ جناب رسول خدا عسرت زمانہ میں تھے اور لیسے عسرت کے زمانہ میں ہمارے اور بزرگ بھی رہے اور اس کے بعد دنیا نے ادھر رخ کیا تو جو اس میں ابرار ہیں وہ اس سے نفع اٹھانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر حضرتؑ نے یہ آیہ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق

والذی ترایتہ للناس ثم جذب ثوبا علی سفیان اعلاہ غلیظ خشن وداخل ذلک ثمین ولین فقال لبست ھذا الاعلی للناس ولبست ھذا النفسک تسترھا۔

(۲) عن الصادق علیہ السلام انہ کان متکئا علی بعض اصحابہ فلقیہ عباد بن کثیر وعلیہ ثوب مرویۃ حسان فقال یا ابا عبد اللہ انک من اھل بیت نبوۃ وکان ابوک وجدک وکان فما ھذہ الثیاب المرویۃ علیک فلو لبست دون ھذہ الثیاب فقال لہ ویلک یا عباد من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق ان اللہ عز وجل اذا انعم علی عبد نعمۃ احب ان یراھا علیہ لیس لھا باس۔

(۳) عن الصادق علیہ السلام انہ قیل لہ اصلحک اللہ ذکرت ان علی ابن ابیطالبؑ کان یلبس الخشن یلبس القمیص باربعۃ دراھم وما اشبہ ذلک ونری علیک اللباس الجید فقال لہ ان علی ابن ابیطالبؑ کان یلبس ذلک فی زمان لا ینکر ولو لبس مثل ذلک الیوم لشھر بہ فخیر لباس کل زمان لباس اھلہ۔

تلاوت فرمائی پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے ہم اس کے لینے کے زیادہ مستحق ہیں مگر اے ثوری یہ جو اوپر کے کپڑے تو دیکھتا ہے تو یہ میں نے لوگوں کے دکھلانے کے لئے پہنے ہیں پھر سفیان کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا اور اوپر کا کپڑا اٹھا کر نیچے والا نکالا تو جسم مبارک سے جو ملا ہوا تھا وہ ویسا ہی موٹا تھا جیسا کہ حضرت کے بزرگ پہنا کرتے تھے، پھر فرمایا دیکھ یہ تو میں اپنے نفس کے لئے پہنتا ہوں اور وہ جو تو نے دیکھا وہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے اس کے بعد سفیان کا اوپر والا کپڑا کھینچ لیا جو بہت ہی موٹا اور کھردرا تھا تو اندر سے ایسا کپڑا نکلا جو بہت ہی نفیس اور نرم تھا فرمایا کہ تو نے یہ اوپر کا لباس تو لوگوں کے دکھانے کو پہن رکھا ہے اور اندر کا اپنے نفس کے لئے چھپا رکھا ہے۔

(۲) صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرتؑ اپنے کسی صحابی پر سہارا دیئے ہوئے جا رہے تھے اور آپ شہر مرو کے بنے ہوئے نفیس کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ عباد ابن کثیر سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کی کہ یا حضرت آپ تو اہلبیت نبوت سے ہیں اور آپ کے والد ماجد ایسے اور ایسے تھے اور آپکے جد امجد ایسے اور ایسے تھے پھر یہ کیا بات ہے کہ آپ ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اگر ان سے گھٹیا کپڑے آپ پہنتے تو موزوں ہوتا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اے عباد وائے ہو تجھ پر من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ بیشک خدائے عز و جل جب کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس بات کو بھی دوست رکھتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس بندے پر دیکھے تو ان کپڑوں کے پہننے میں

کوئی خرابی نہیں ہے۔

(۳) صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی نے آنحضرت سے یہ عرض کیا کہ خدا حضور کا بھلا کرے آپ ذکر فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کھر درا لباس پہنتے تھے چار درہم کی پوت کی قمیص اور اسی کے مانند اور لباس بھی۔ ہم آپ کو عمدہ لباس پہنے دیکھتے ہیں حضرت نے اس سے کہا کہ علی بن ابیطالب وہ لباس اس زمانہ میں پہنتے تھے جبکہ وہ لباس حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا اور اگر وہ لباس حضرت آج کل پہنتے تو مطعون ہو جاتے لیں ہر زمانہ میں جو لباس اہل زمانہ میں رائج ہو اس کو اختیار کرو۔"

(۴) ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام کے ایک صحابی علاء بن زیاد الحارثی نے اپنے بھائی عاصم بن زیاد کا تذکرہ کیا کہ وہ بالکل تارک دنیا اور خرقہ پوش بن گیا ہے حضرتؑ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لاؤ جب وہ حاضر ہوا، تو ارشاد فرمایا۔

یا عدی لقد استھام بك الخبیث اما رحمت اھلك وولدك اتری اللہ احل لك الطیبات وھو یکرہ ان تاخذھا انت اھون علی اللہ عن ذلك قال یا امیر المومنین ھذا انت فی خشونۃ علیك و جشوبۃ ماکلك قال ویحك انی لست کانت ان اللہ فرض علی ائمۃ العدل ان یقدروا انفسھم بضعفۃ الناس کیلا یتبغ بالفقیر فقرہ۔

"اے اپنی جان کے دشمن تجھکو شیطان نے سرگشتہ کر دیا ہے کیا تجھکو اپنے بیوی بچوں پر رحم نہیں آتا کیا تیری رائے میں جب اللہ نے تیرے لئے طیبات کو حلال کیا ہے وہ یہ ناپسند کرے گا کہ تو ان طیبات کو استعمال کرے۔ تو خدا کے نزدیک اس سے پست تر ہے اس نے کہا کہ اے امیر المومنینؑ آپ گھٹیا پوشاک اور گھٹیا خوراک استعمال میں رکھتے ہوئے ایسا فرماتے ہیں۔ آپنے فرمایا تجھ پر وا ہو میں تجھ جیسا نہیں ہوں۔ بیشک اللہ نے ائمہ عدل پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو غریبوں کے برابر رکھیں تاکہ محتاج کو اسکی محتاجی ناگوار نہ ہو۔"

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَکَذٰلِکَ

نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ۝ "بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی نہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت ہی پائیں گے یہانتک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے ہو کر نکل جائے (یعنی جس طرح یہ محال ہے اسی طرح ان کا بہشت میں داخل ہونا محال ہے) اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔"

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔

اما المومنون فتفتح اعمالھم وارواحھم الی السماء فتفتح لھم ابوابھا واما الکافر فیصعد بعملہ وروحہ حتی اذا بلغ الی السماء نادی مناد اھبطوا بہ الی سجین۔

"لیکن مومنین کے اعمال اور ارواح آسمان کی طرف بلند کئے جائیں گے اور ان کے لئے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ لیکن کافر بھی اپنے عمل اور روح کیساتھ چڑھیگا یہانتک کہ جب آسمان تک پہونچےگا تو ایک منادی ندا دے گا کہ اس کو سجین کی طرف اتار لیجاؤ۔"

حتی یلج الجمل الخ اس فقرے میں کفار کے داخل جنت ہونے کی شرط ایک امر محال قرار دی گئی اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گذر جانا ناممکن امر ہے۔ پس جو امر اس شرط محال کے وقوع پر موقوف ہوگا وہ بھی محال ہوگا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِہِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہِمُ الْاَنْہٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ہَدٰنَا لِہٰذَا ۟ وَمَا کُنَّا لِنَہْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ ہَدٰىنَا اللّٰہُ ۚ

"اور ان لوگوں کے دل میں جو کچھ (بغض و کینہ) ہوگا وہ سب ہم نکال (باہر کر) دینگے۔ ان (کے محلوں) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور کہتے ہوں گے شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اس منزل مقصود تک پہونچایا اور اگر خدا ہمیں یہاں نہ پہونچاتا تو ہم یہاں نہ پہونچ سکتے۔"

اس جملے میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ باہمی حسد و عداوت جو اس دنیا میں ہوا کرتی ہے وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد مومنین کے قلوب میں باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ اون کے ارواح و قلوب ان خصائل ذمیمہ

سے بالکل طاہر ہوں گے لہذا اون کے مراتب میں جو کمی و زیادتی اعمال و استحقاق کی وجہ سے کی جائے گی اوس پر ایک راضی و شاکر ہوگا کسی کو دوسرے پر رشک و حسد نہ ہوگا۔ اس کے پہلے اہل جہنم کی باہمی عداوت کی حالت دکھائی تھی۔ لہذا اس آیت میں مومنین کے قلوب کی طہارت واضح فرمائی کہ مثل اہل جہنم اون کے درمیان کوئی خصومت و نزاع اور حسد و عداوت نہ ہوگی۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

تب ایک منادی ان کے درمیان ندا کرے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے "

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ "موذن" سے مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

چنانچہ یہ روایات ینابیع المودۃ سے نقل کی جاتی ہیں (صـ١٠١ مطبوعہ مصر)

(١) الحاکم ابو القاسم الحسکانی اخرج بسندہ عن محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ عن ابیہ علی کرم اللہ وجہہ قال انا ذلک المؤذن۔

" حاکم ابو القاسم الحسکانی نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن حنفیہ رضی اللہ سے نقل کیا ہے اور انھوں نے اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا وہ موذن میں ہوں "

(٢) الحاکم بسندہ عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال علی رضی اللہ عنہ فی کتاب اللہ اسماء لا یعرفہا الناس فاذن موذن بینھم یقول لعنۃ اللہ علی الظالمین ای الذین کذبوا بولایتی واستخفوا بحقی۔

" حاکم اپنی سند کے ساتھ ابو صالح سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کتاب خدا میں میرے ایسے اسماء (نام) ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے منجملہ ان کے فاذن موذن بینہم ہے آپ فرماتے ہیں کہ آگاہ ہو کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے یعنی وہ جنھوں نے میری ولایت کو جھٹلایا اور میرے حق کو سبک سمجھا "

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ

اور کچھ لوگ اعراف پر ہوں گے جو ہر شخص کو (بہشتی ہو یا جہنمی) ان کی پیشانی سے پہچان لیں گے "

اس آیت کی بابت حافظ ابن مردویہ نے روایت کی ہے:۔

عن علیؑ قال نحن اصحاب الاعراف من عرفناہ بسیماہ ادخلناہ الجنۃ۔ (ارجح المطالب صـ٩٦)

" حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم اصحاب اعراف ہیں ہم جسکو اسکی پیشانی سے پہچانیں گے اسکو جنت میں داخل کریں گے۔

اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے:۔

الاعراف موضع عال من الصراط علیہ العباس وحمزۃ وعلی وجعفر یعرفون محبیہم ببیاض الوجوہ ومبغضیہم بسواد الوجوہ۔ (منقول از صواعق محرقہ و ینابیع المودۃ)

" اعراف پل صراط کا وہ بلند مقام ہے جس پر عباس و حمزہ و علی و جعفر (علیہم السلام) اپنے دوستوں کو چہروں کی روشنی سے اور اپنے دشمنوں کو چہروں کی تاریکی سے پہچانیں گے "

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ "اعراف" جنت و جہنم کے درمیان صراط کے پاس ایک مقام بلند ہوگا۔ جہاں خدا کے مخصوص بندے اس غرض سے ٹھہرائے جائیں گے اور ان کو یہ قوت فراست عطا کی جائے گی کہ ہر شخص کی پیشانی دیکھکر پہچان لیں گے کہ یہ بندہ کیسا ہے شفاعت کا مستحق ہے یا نہیں اور وہاں ان کے بٹھانے سے مقصود یہ ہوگا کہ وہ تمام گذرنے والوں کو دیکھتے رہیں۔ اور جو ان کو قابل شفاعت دکھائی دے اس کی شفاعت کر کے جنت میں داخل کرائیں۔ یہی مطلب امیر المومنینؑ کے اس کلام کا ہے: "من عرفناہ بسیماہ ادخلناہ الجنۃ۔"

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

" بیشک تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے (صرف) چھ دنوں میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا "

ان آیات کے متعلق چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے:۔

اول یہ کہ بطور کلی قرآن کی تمام تعلیمات کا مدار چار امور پر ہے توحید۔ نبوت۔ معاد۔ قضاء و قدر۔

maablib.org

چونکہ پہلے احوال معاد کو ایسی تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کی نظیر دوسری آسمانی کتابوں میں نہیں ملتی اور معاد کا اثبات توحید و قدرت خدا پر موقوف ہے نیز نبوت و رسالت کے ذریعہ بطور اتمام حجت کئے بغیر جزا و سزا کا مترتب کرنا عقلاً قبیح ہے لہذا بعد میں ان امور کا تذکرہ استدلالی و تفصیلی عنوان سے شروع کیا گیا

یہ حسن ترتیب مقدمات و نظم براہین قویہ قرآن حکیم کے خصائص میں سے ہے۔

دوم ستۃ ایام سے مراد اتنی مقدار تاخیر ہے جس کا اندازہ چھ دنوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض روایات میں معصوم نے اس کی تفسیر میں "ستۃ اوقات" فرمایا ہے اس بنا پر مقصود آیت یہ ہوا کہ تمام آسمان و زمین کو یکبارگی نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے چھ مرتبہ کر کے خلق فرمایا۔ ستۃ ایام محض اس لئے فرمایا ہے کہ عوام کو بغیر اس کے کسی دوسرے الفاظ سے سمجھانا ممکن نہ تھا۔ ورنہ فی الحقیقت آسمانوں کی خلقت سے پہلے نہ شب و روز تھے اور نہ زمانہ و اوقات۔

سوم۔ خلقت آسمان و زمین میں اس تاخیر کی غایت معصومین کے مندرجہ ذیل ارشادات میں مذکور ہے۔

(۱) عن امیر المومنین و لو شاء ان یخلقها فی اقل من لمح البصر لخلق و لکنه جعل الاناة و المداراة مثالاً لامنائه و ایجاباً للحجة علی خلقه

(۱) امیر المومنین سے مروی ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ان آسمانوں کو چشم زدن میں پیدا کر دیتا لیکن اس نے تاخیر و نرمی کو اپنے امانتداروں (انبیاء و اوصیاء) کے لئے مثال بنایا۔ اور مخلوقات پر اپنی حجت کو لازم کر دیا۔

(۲) عن الرضا علیه السلام انه کان قادراً علی ان یخلقها فی طرفة عین و لکنه عز و جل خلقها فی ستة ایام لیظهر للملائكة ما یخلقه منها شیئاً بعد شیء فیستدل بحدوث ما یحدث علی الله تعالیٰ مرة بعد اخری

(۲) حضرت امام رضا سے مروی ہے کہ وہ (خدا) اس پر قادر تھا کہ ان سب کو پل بھر میں خلق کر دیتا لیکن اس نے ان کو چھ یوم میں اس لئے خلق فرمایا تاکہ ملائکہ پر یکے بعد دیگرے اپنی خلقت کو ظاہر کرے اور ان کا یکے بعد دیگرے ہونا حدوث کی دلیل بن جائے۔

ان روایتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ خالق عالم اس پر قدرت رکھتا تھا کہ تمام آسمان و زمین کو ایک لمحہ میں خلق کر دیتا لیکن اتنی تاخیر اس لئے کی کہ بندوں کو ان کے کاموں میں جلدی نہ کرنے کی تعلیم دی چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔

ولقد خلقنا السموات والارض وما بینهما فی ستة ایام وما مسنا من لغوب فاصبر علی ما یقولون۔ "اور ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کو جو ان دونوں کے مابین میں چھ یوم میں پیدا کیا۔ اور ہم کو کوئی تھکن نہیں ہوئی۔ پس تم ان کے اقوال پر صبر کرو۔"

اس آیت میں "وما مسنا من لغوب" فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ چھ دنوں میں آسمان و زمین کو خلق کرنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ اس سے جلد خلق کر دینے میں ہم کو کوئی تعب یا تھکن لاحق ہوتی تھی۔ اور پھر اس پر چھ دنوں میں خلق کرنے پر حکم "فاصبر" کو مترتب کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ اے رسول جس طرح ہم اپنے افعال میں باوجود قدرت تعجیل نہیں کرتے اسی طرح تم بھی لوگوں کے اقوال پر صبر کرو۔ نزول عذاب میں تعجیل کی خواہش نہ کرو۔

دوسری بات یہ کہ رفتہ رفتہ خلق کرنے سے مخلوق کی نظر میں خالق کی قدرت و حکمت ظاہر و واضح ہو سکتی تھی۔ صانع عالم میں یہ قدرت بے شک تھی کہ وہ ایک لمحہ میں سب کچھ خلق کر دیتا مگر عقول مخلوقات میں یہ قوت نہ تھی کہ ایک لمحہ میں اوس کے علم و اقتدار کو بخوبی ادراک کر لیتی بلکہ خالق عالم کے کمال علم و قدرت و حکمت کا یقین کامل اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ رفتہ رفتہ حوادث کے عالم وجود میں آنے کا نظارہ کرے اور لحظہ بہ لحظہ ان کی حرکات ترقی کو مشاہدہ کرے۔ لہذا تاخیر اس لئے کی گئی کہ بندوں کو غور و فکر کا موقع کافی ملے اور خدا کی حجت ان پر تمام ہو جائے۔

اور پہلی حدیث میں معصوم کے اس کلام "وایجاباً للحجة علی خلقه" کا مطلب یہی ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ "نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے۔"

یہاں بجائے "قریبۃ" کے "قریب" کہنا اہل لغت کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ لفظ "رحمۃ" میں تانیث حقیقی نہیں ہے۔ لہذا اوس کی صفت میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہے۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا الخ "اور (ہم نے قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا۔"

یہ قوم اپنے جد اعلیٰ ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے نام سے مشہور تھی۔ اور حجاز و شام کے درمیان آباد تھی۔ خود جناب صالح بھی ثمود بن عاد ہی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا معجزہ وہ اونٹنی تھی

جس کو خدا نے اس قوم کی فرمائش پر بچے سمیت پہاڑ کے ایک پتھر سے نکالا تھا اور وہ اس حیثیت سے بھی معجزہ تھی کہ جتنا پانی ایک دن میں ساری قوم کے لئے کافی ہوتا تھا - وہ دوسرے دن تنہا پی جاتی تھی، اور اس دن اتنا دودھ دیتی تھی جو تمام قوم ثمود کے سیراب ہوجانے کے لئے کافی ہوتا تھا -- اون لوگوں کو خدا کی طرف سے یہی بتا دیا گیا تھا کہ اس شہر کا تمام پانی ایک دن اپنے مصرف میں لایا کریں اور دوسرے دن اونٹنی کیلئے چھوڑ دیں اور اس دن صرف اس کے دودھ ہی پر قناعت کریں مگر جو لوگ اتنا بڑا معجزہ دیکھکر ایمان نہ لائے تھے وہ اس حکم کی تعمیل کیا کرتے آخر کار لوگوں نے مشورہ کرکے ایک سقے کو آمادہ کیا اور اس نے اونٹنی کے پاؤں کٹوا دیئے پھر سب نے ملکر اس کا گوشت کھالیا - اور اس کے بچے نے پہاڑ پر جاکر تین مرتبہ اپنا سر بلند کرکے فریاد کی - اور پہاڑ میں چلا گیا - اس واقعہ کے بعد حضرت صالحؑ نے لوگوں سے کہا کہ تم کو تین روز کی مہلت دیجاتی ہے اگر اس کے اندر اپنے کفر و عصیان سے توبہ کرلی تو نجات مل جائے گی ورنہ عذاب نازل کردیا جائے گا مگر وہ لوگ اپنے کفر و معاصی سے باز نہ آئے - آخر کار چوتھے دن ایک سخت خوفناک گرج پیدا ہوئی جس سے سب کے کان پھٹ گئے اور دل و جگر شق ہوگئے اور پھر آسمان سے آگ نازل ہوئی جس نے اون کو جلا کر خاک کر دیا -

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

"اس کے بعد صالح ان سے ٹل گئے اور ان سے مخاطب ہوکر کہا اے میری قوم میں نے اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہونچا دیئے تھے - اور تمہاری خیر خواہی کی تھی (اور اونچ نیچ سمجھا دیا تھا) مگر (افسوس) تم (خیر خواہ) سمجھانے والے کو اپنا دوست ہی نہیں سمجھے -"

جناب صالح کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا قلب اپنی قوم کی نصیحت قبول نہ کرنے اور مستحق عذاب ہوجانے سے متاثر تھا اور ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان کسی کی خیر خواہی مد نظر رکھکر نصیحت کرتا ہے اور وہ اسکو قبول

نہ کرنیکے سبب سے تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے تو وہ تاسف و حسرت سے کہتا ہے کہ آخر تم نے میری نصیحت نہ مانی اور ہلاک ہوکر رہے - نیز یہ کلام اوس کلام سے مشابہ ہے جو آنحضرتؐ نے جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد کفار کے مقتولین سے خطاب کرکے فرمایا تھا - چنانچہ مروی ہے کہ اس وقت ایک صحابی نے عرض کی تھی کہ یہ لوگ تو مردہ ہیں ان سے خطاب کیسا؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ تم سے زیادہ سنتے ہیں جواب دینے پر قادر نہیں ہیں -

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"لوطؑ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا تو جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ (افسوس) تم ایسی بدکاری کرتے ہو کہ تم سے پہلے ساری خدائی میں کسی نے ایسی بدکاری نہیں کی تھی -"

جناب لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی تھے، اور انھیں کے عہد میں اہل موتفکات کو ہدایت کرنے پر معین کئے گئے تھے - اس قوم کے پانچ شہر آباد تھے - جن میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا -

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط

"اور (ہم نے) مدین (والوں کے) پاس ان کے بھائی شعیب کو (رسول بنا کر بھیجا)"

جناب شعیب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے، آپ کی قوم میں دیگر فواحش و معاصی کے علاوہ دو باتیں بہت رائج تھیں ایک رہزنی اور دوسرے ناپ تول میں زیادہ لینا اور کم دینا -

جزو ہشتم تمام شد

جز نہم ۹

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ۝

"ان کی قوم میں سے جن لوگوں کو (اپنی حشمت دنیا پر) بڑا گھمنڈ تھا کہنے لگے کہ اے شعیب ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کر دیں گے مگر جبکہ تم بھی ہمارے اسی مذہب وملت میں لوٹ کر آجاؤ (تو خیر) شعیب نے کہا کیا ہم اگرچہ تمہارے مذہب سے نفرت ہی رکھتے ہوں"

اس آیت میں قوم شعیب علیہ السلام کے اس مطالبہ کی حکایت کی گئی ہے کہ وہ مع تابعین اون کے دین کی طرف عود کر آئیں۔ نیز اس کے جواب میں حضرت سے بھی "ان عدنا" اور "ان نعود فیہا" فرمایا ہے جس سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ معبوث ہونے سے بیشتر آپ بھی ملۃ کفار پر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کا اول عمر سے آخر تک معصوم ہونا دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے جن کی تفصیل مقدمہ حواشی سے معلوم ہو سکتی ہے البتہ ممکن ہے کہ بوجہ غلبہ کفر حضرت شعیب بعثت سے پہلے اپنے دین کو مخفی رکھتے رہے ہوں جس سے کفار کو یہی گمان رہا ہو کہ آپ پہلے ان کی ملت پر تھے، اب اس سے خارج ہو گئے ہیں لہذا عود کرنے کا مطالبہ کیا ہو اور حضرت نے انہیں کے گمان کے مطابق جواب دیا ہو لیکن اس سے بہتر یہ احتمال ہے کہ اس مطالبہ اور جواب میں تغلیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی جو لوگ آپ کی دعوت پر ایمان لائے تھے وہ پہلے ملۃ کفر پر تھے اور اُن کی تعداد زیادہ تھی لہذا کفار کے خطاب اور اوس کے جواب میں انہیں لوگوں کی کثرت وغلبہ تعداد کا لحاظ کر کے لفظ عود استعمال کیا گیا ہے اور یہ عنوان کلام عرف عام میں بکثرت رائج ہے اسی لئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ

"اور ہمارے واسطے کسی طرح جائز نہیں کہ ہم تمہارے مذہب کی طرف لوٹ جائیں مگر ہاں جب میرا پروردگار اللہ چاہے تو (البتہ مضائقہ نہیں)"

اس جواب میں جناب شعیبؑ نے مشیت الٰہی کی شرط لگا کر نہایت استقامت عزم اور کمال رسوخ ایمان کو ظاہر کیا ہے اور عود الی الکفر کو ناممکن امر قرار دیا ہے کیونکہ اُس سے مشیت الٰہی کا متعلق ہونا منافی عدل و مستلزم مفاسد کثیرہ ہونے کے سبب ممکن نہ تھا۔

فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ "پھر میں اب کافروں پر کیوں افسوس کروں۔"

یہ استفہام انکاری ہے جس سے مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ جو لوگ شدت کفر و معصیت کی وجہ سے مستحق عذاب ٹھہرے اون کی حالت قابل افسوس و لائق حزن و ملال نہیں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝

"اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو (کہنا نہ ماننے پر) سختی اور مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگ (ہماری بارگاہ میں) گڑگڑائیں"

محصل آیت یہ ہے کہ جب ہم نے کسی قریہ میں کسی نبی کو بھیجا اور لوگوں پر حجت تمام کر دی لیکن وہ راہ راست پر نہ آئے تو ہم نے اون کو طرح طرح کی سختیوں میں مبتلا کیا اور کبھی فارغ البالی و خوشحالی عطا کی تاکہ اب بھی ان تغیرات احوال سے متنبہ ہو کر کفر و شرک سے توبہ کر لیں مگر جبکہ ان باتوں پر بھی وہ باز نہ آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ حوادث تو عادت زمانہ و انقلاب دہر کا کرشمہ ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد پر بھی ایسے ہی گزرے ہیں تو اس وقت ان پر عذاب ناگہانی نازل کر دیا گیا۔

أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ

"یا ان بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر دن ڈھاڑے ہمارا عذاب آ پہونچے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں"

"لعب" سے مراد امور دنیا میں اشغال ہے۔

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ

"تو کیا یہ لوگ خدا کی تدبیر سے ڈھیٹ ہو گئے ہیں۔ تو یاد رہے کہ خدا کے داؤ سے صرف گھاٹا اٹھانے والے ہی نڈر ہو بیٹھتے ہیں"

"مکر" سے مراد عذاب ناگہانی ہے۔ چونکہ مکر عموماً غفلت کی حالت میں کیا جاتا ہے اور عذاب کی بابت بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ نیند کی غفلت یا دنیاوی کاروبار میں مصروفیت کی حالت میں ناگہانی طور پر نازل کر دیا جائے گا۔ اس لئے عذاب کو مکر سے تعبیر فرمایا۔ اس لفظ کے معنی کی تحقیق پہلے بھی مفصلاً گذر چکی ہے۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ

"کیا جو لوگ اہل زمین کے بعد زمین کے وارث (و مالک) ہوتے ہیں انھیں یہ معلوم نہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی بدولت ان کو مصیبت میں پھنسا دیتے (مگر یہ لوگ ایسے ناسمجھ ہیں) کہ گویا ان کے دلوں پر ہم خود مہر کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ سنتے ہی نہیں"

"طبع" اور "ختم" کے معنی اوائل سورۂ بقرہ میں بالتفصیل بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ پہلے ہی کسی کے دل پر خدا کی طرف سے مہر نہیں لگائی جاتی جس سے وہ کفر و معصیت

پر مجبور ہو جائے کیونکہ ایسا کرنا خداوند عالم کی شان عدل کے منافی اور ظلم قبیح ہے جس سے اس کی ذات منزہ و مقدس ہے البتہ بعد اتمام حجت کفر و معصیت پر اصرار واقع ہونے کی حالت میں عذاب و عقوبت کے طور پر تمام توفیقات سلب کر لی جاتی ہیں اور قلوب پر مہر لگا دی جاتی ہے جس سے قبول وعظ و نصیحت کی قابلیت باقی نہیں رہتی۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ

"(اے رسولؐ) یہ چند بستیاں ہیں جن کے حالات ہم تم سے بیان کرتے ہیں اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ ان کے پیغمبر ان کے پاس بہت واضح و روشن معجزے لیکر آئے مگر یہ لوگ جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے، اس پر بھلا کاہے کو ایمان لانے والے تھے۔ خدا یوں کافروں کے دلوں پر علامت مقرر کر دیتا ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے)

اس آیت میں "فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے انبیاء و رسل کی جن باتوں کو ظہور معجزات سے قبل جھٹلایا ان پر بعد اظہار معجزات بھی کب ایمان لانے والے تھے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ

"اور ہم نے تو ان میں سے اکثروں کا عہد (وہ عہد جو ان لوگوں نے خوف عذاب کو دیکھ کر کیا تھا کہ اگر یہ بلا ہم سے دفع ہو گئی تو ہم ایمان لائیں گے) ٹھیک نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثروں کو بدکار ہی پایا"

"اکثرہم" میں ضمیر اہل قریٰ کی طرف راجع ہے اور "اکثر" اس لئے فرمایا تھا کہ بعض افراد بے وفا و فاسق نہ تھے بلکہ مومن و مطیع ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی۔

maablib.org

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ "موسیٰ نے اپنی چھڑی (زمین پر) ڈال دی وہ یکایک (اچھا خاصا) اژدھا بن گئی"

سوال :- اس آیت کے متعلق یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہاں عصائے موسیٰ کا ثعبان بنجانا مذکور ہے اور ثعبان اژدھے کو کہتے ہیں۔ برخلاف اس کے دوسری آیت میں "فلما رآها تهتز كأنها جان" فرمایا ہے اور "جان" کا اطلاق چھوٹے سانپ پر ہوتا ہے۔ پس دونوں آیتوں میں ایک ہی قصہ بیان کیا گیا ہے باہم اختلاف رکھتی ہیں۔

جواب :- اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں ایک ہی قصہ مذکور نہیں ہے بلکہ آیہ "فلما رآها الخ" میں اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جبکہ جناب موسیٰؑ کو منصب نبوت عطا ہوا تھا اور ابھی فرعون کو دعوت دینے کے لئے روانہ بھی نہیں ہوئے تھے، اور آیۂ زیر بحث میں اس وقت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جبکہ دربار فرعون میں پہونچ کر تبلیغ حکم الٰہی کر رہے تھے، پس ممکن ہے کہ ابتدائے عہد نبوت میں اس عصا کا انقلاب چھوٹے سانپ کی شکل میں ہوا ہو۔ اور دربار فرعون میں اژدہے کی صورت میں منقلب ہوا ہو۔ علاوہ اس کے بر سبیل تنزل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ثعبان یا جان کہنے سے ہر امر و صفت میں کامل مشابہت کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ جثہ کی عظمت کے لحاظ سے "ثعبان" سے تشبیہ دی ہے اور سرعت حرکت و خفت سر کے لحاظ سے "جان" سے مشابہ بیان کیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں میں اختلاف بیان کا شبہہ محض خطائے فکر عقل کا نتیجہ ہے۔

فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ ۝ "جوں ہی ان لوگوں نے (اپنی رسیاں) ڈالیں تو لوگوں کی نظر بندی کر دی"

ایک دوسرے مقام پر فرمایا "یخیل الیه من سحرهم انها تسعیٰ" ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سحر کے ذریعہ کسی شئے کی حقیقت منقلب نہیں کی جا سکتی۔ ان ساحروں کی رسیاں فی الحقیقت سحر سے سانپ نہیں بنی تھیں۔ بلکہ انھوں نے دیکھنے والوں کی نگاہوں اور خیالوں کو دھوکے میں ڈالدیا تھا اور بس۔ سحر کی مفصل بحث معجزہ کی بحث کے ساتھ مقدمہ حواشی میں دیکھنی چاہیئے۔

أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ "دیکھو ان کی بدشگونی تو خدا کے یہاں (لکھی جا چکی) تھی مگر بہتیرے لوگ نہیں جانتے"۔

یعنی جن شرور و آفات کو یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقا کی بدشگونی سمجھتے ہیں ان کا سبب خدا کی مشیت ہے اسی کے حکم سے نازل ہوتی ہیں۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ "اور جب ان پر عذاب آ پڑتا تو کہنے لگتے اے موسیٰ تم سے جو خدا نے (قبول دعا کا) عہد کیا ہے اس کی امید پر اپنے خدا سے دعا مانگو اور اگر تم نے ہم سے عذاب کو ٹالدیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی ضرور بھیجدیں گے"۔

ساحروں کے ایمان لانے پر مصر کے اکثر لوگ ایمان لائے تھے، اور فرعون نے ان سب کو قید کر دیا۔ آفات مذکورہ میں جب کوئی آفت نازل ہوتی تو فرعون اور اس کے تابعین جناب موسیٰ سے خوشامد کرتے اور وعدہ کرتے کہ اگر ابکی یہ عذاب ٹل جائے گا تو ایمان قبول کر لیں گے اور جو بنی اسرائیل ہمارے پاس مقید ہیں ان کو رہا کر دیں گے۔ لیکن جب وہ عذاب ٹل جاتا تو اپنے عہد کو وفا نہیں کرتے تھے۔

وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۝ "اور ہم نے موسیٰ سے (توریت کے لئے) تیس راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے اس میں دس روز (بڑھا کر) پورا کر دیا غرض اس کے پروردگار کا وعدہ چالیس رات میں پورا (چلّہ) ہو گیا"۔

maablib.org

(۱) اس آیت میں مثل آیۂ سورۂ بقر "اربعین لیلۃ" نہیں کہا بلکہ "ثلاثین لیلۃ واتممناها بعشر" فرمایا تاکہ یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ ان میں سے تیس دن تو وہ تھے جن میں عبادات و ریاضات کا حکم خدا نے جناب موسیٰ کو دیا تھا جب وہ ان کو پورا کر چکے تو نزول توراۃ کا سلسلہ شروع ہوا جو دس دن تک جاری رہا، اس طرح چالیس دن پورے ہو گئے۔

(۲) اسکے بعد تفصیل سابق "فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ" اس لئے کہا ہے کہ یہ شبہہ کسی کو نہ ہو کہ وہ دس دن جن کا ذکر بعد میں کیا ہے وہ بھی تیس دنوں میں شامل ہیں۔ اس طرح کہ پہلے بیس ہی دن معین رہے ہوں پھر ان میں دس دنوں کا اضافہ کر کے تیس دنوں پر تمام کیا ہو۔

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝

"موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین رہو اور ان کی اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلنا"

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:—

اولاً یہ کہ جناب ہارون کا باوجود ان کے نبی مرسل ہونے کے ایک وقت خاص کے لئے خلیفہ و نائب بنایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ امامت و ریاست عامہ کا منصب نبوت کے منصب سے علیحدہ ہے کبھی دونوں ایک ہی ذات میں جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے جناب موسیٰ دونوں منصب پر فائز تھے مگر جناب ہارون کو جناب موسیٰ کے ساتھ امامت و ریاست عامہ کا منصب حاصل نہ تھا اگرچہ تبلیغ رسالت کے فرائض میں خداوند عالم کی طرف سے دونوں بزرگواروں کی شرکت قرار دی گئی تھی۔ مگر امامت کے فرائض جناب موسیٰ ہی کی ذات سے مخصوص رکھے گئے تھے، اسی لئے جناب ہارون کو خاص طور پر خلیفہ و نائب بنانے کی ضرورت ہوئی۔

دوم۔ جبکہ صرف چالیس دن کی غیبت میں بھی یہ لازم تھا کہ جناب موسیٰ اپنی قوم کو مطلق العنان نہ چھوڑیں بلکہ ایک خلیفہ و نائب مقرر کرتے جائیں۔ جو لوگوں کی اصلاح کرتا رہے تو کسی ایسے رسول کے لئے جس کے فرائض جناب موسیٰ کے فرائض سے زیادہ اہم تھے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو آزاد چھوڑ جائے اور اپنے بعد کے لئے اصلاح امت کو مد نظر رکھ کر کسی کو خلیفہ و نائب مقرر نہ کر جائے [illegible]

فَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ

"اور جب موسیٰ ہمارا وعدہ پورا کرنے (کوہ طور پر) آئے اور ان کا پروردگار ہم کلام ہوا تو موسیٰ نے عرض کی خدایا تو اپنی ایک جھلک دکھلا دے کہ میں تجھے دیکھوں، خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو (ہم اس پر تجلی ڈالتے ہیں) بس اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے تو (سمجھنا) کہ عنقریب مجھے بھی دیکھ لو گے (ورنہ نہیں) پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے خداوندا تو دیکھنے دکھانے سے پاک و پاکیزہ ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی اور میں سب سے پہلے تیری عدم رویت کا یقین کرتا ہوں۔"

یہ آیت ان خوش اعتقاد لوگوں کی امیدوں کے لئے برق خرمن سوز ہے جو رویت خالق عالم کو ممکن تصور کر کے بہت سے حشر کے مبارک دن میں اس کی بے حجاب جلوہ نمائی کے منتظر ہیں۔ اگر صحت عقل کے ساتھ مقصود آیت پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ رویت باری تعالیٰ اسی طرح محال ہے جس طرح اس کا جسمانی و مکانی ہونا، ہم مفہوم آیت کو نظر میں رکھ کر بکمال واضح کرنے کے لئے ایک حدیث معصوم کا نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ — اور وہ یہ ہے:

عن علی بن محمد بن الجهم قال حضرت مجلس المامون وعنده الرضا علی بن موسیٰ علیهما السلام فقال له

علی بن محمد بن الجہم سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں مامون کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ اس کے پاس علی بن موسیٰ الرضا

المامون یا ابن رسول اللہ الیس فی قولک ان الانبیاء
معصومون قال بلی فسئلہ عن آیات من القرآن
فکان فیما سأل ان قال لہ فما معنی قول اللہ
عز وجل فلما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال
رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی الآیۃ
کیف یجوز ان یکون کلیم اللہ موسیٰ بن عمرانؑ
لا یعلم ان اللہ تعالیٰ ذکرہ لا یجوز علیہ الرؤیۃ حتی
یسألہ عن ہذا السؤال فقال الرضاؑ ان کلیم اللہ
موسیٰ بن عمران علیہ السلام علم ان اللہ تعالیٰ عن ان یری
بالابصار ولکنہ لما کلمہ اللہ عز وجل وقربہ نجیا
رجع الی قومہ فاخبرہم ان اللہ عز وجل کلمہ وقربہ
وناجاہ فقالوا لن نؤمن لک حتی نسمع کلامہ
کما سمعت وکان القوم سبعمائۃ الف رجل فاختار منہم
سبعین الفا ثم اختار منہم سبعۃ آلاف ثم
اختار منہم سبعمائۃ ثم اختار منہم سبعین
رجلا لمیقات ربہ فخرج بہم الی طور سیناء فاقامہم
فی سفح الجبل وصعد موسیٰ الی الطور وسأل اللہ تعالیٰ
ان یکلمہ ویسمعہم کلامہ فکلمہ اللہ تعالیٰ ذکرہ
وسمعوا کلامہ من فوق واسفل ویمین وشمال
ووراء وامام لان اللہ عز وجل احدثہ فی الشجرۃ
ثم جعلہ منبعثا منہا حتی سمعوہ من جمیع الوجوہ
فقالوا لن نؤمن لک بان ہذا الذی سمعناہ

علیہم السلام تشریف فرما تھے آنحضرتؑ سے مامون نے پوچھا کہ یا ابن رسول
اللہ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ انبیاءؑ معصوم ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں
کہتے ہیں۔ تب اس نے آنحضرتؑ سے قرآن کی کئی آیتوں کے
بارے میں دریافت کیا منجملہ اس کے سوالات کے ایک یہ بھی
تھا کہ قول خدا ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال
رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی کے کیا معنی ہیں
یہ کیسے جائز ہے کہ کلیم اللہ موسیٰ بن عمرانؑ یہ نہ جانتے ہوں کہ
اللہ تعالیٰ کی رویت جائز نہیں ہے تا اینکہ اس ذات اقدس
سے یہ سوال کیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ کلیم اللہ موسیٰ
بن عمران علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں سے نہیں
دیکھا جا سکتا لیکن جب اللہ نے آنحضرتؑ سے کلام کیا اور انکو
مناجات کا شرف تقرب عطا کیا تو آنحضرت اپنی قوم کی طرف
واپس آئے اور ان کو خبر دی کہ اللہ نے ان سے کلام کیا،
تقرب عطا کیا اور مناجات کا موقع دیا۔ بنی اسرائیل نے
کہا کہ ہم تمہارا اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ
ہم اس (خدا) کے کلام کو ایسے ہی نہ سنیں جیسے تم نے سنا ہے
اور قوم میں سات لاکھ مرد تھے، ان میں سے ستر ہزار انتخاب
کئے پھر ان میں سے سات ہزار انتخاب کئے پھر ان میں سے
سات سو انتخاب کئے پھر ان میں سے ستر انتخاب کئے بعد ازاں
طور سینا کی طرف ان کو لیکر نکلے اور ان کو دامن کوہ میں کھڑا
کر کے موسیٰ طور پر چڑھ گئے اور خدا سے سوال کیا کہ وہ ان سے
کلام کرے کہ وہ لوگ اس کے کلام کو سنیں پس خدا تعالیٰ نے

کلام اللہ حتی نری اللہ جہرۃ فلما قالوا ہذا القول
العظیم واستکبروا وعتوا بعث اللہ عز وجل علیہم صاعقۃ
فاخذتہم بظلمہم فماتوا فقال موسیٰ یا رب ما
اقول لبنی اسرائیل اذا رجعت الیہم وقالوا انک
ذہبت بہم فقتلتہم لانک لم تکن صادقا فیما ادعیت
من مناجاۃ اللہ ایاک فاحیاہم اللہ وبعثہم معہ
فقالوا انک لو سألت اللہ ان یریک تنظر الیہ
لاجابک وکنت تخبرنا کیف ہو فنعرفہ حق
معرفتہ فقال موسیٰ یا قوم ان اللہ لا یری بالابصار
ولا کیفیۃ لہ وانما یعرف بآیاتہ ویعلم باعلامہ فقالوا
لن نؤمن لک حتی تسألہ فقال موسیٰ یا رب انک
قد سمعت مقالۃ بنی اسرائیل وانت اعلم بصلاحہم
فاوحی اللہ جل جلالہ الیہ یا موسیٰ اسألنی ما
سألوک فلن اؤاخذک بجہلہم فعند ذلک
قال موسیٰ رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی
ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ وہو یہوی
فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل بآیۃ من آیاتہ
جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا فلما افاق قال سبحانک
تبت الیک یقول رجعت الی معرفتی بک عن
جہل قومی وانا اول المؤمنین منہم بانک لا تری
فقال المامون للہ درک یا ابا الحسن

موسیٰ سے کلام کیا اور ان لوگوں نے اس کے کلام کو اوپر نیچے
دائیں بائیں آگے پیچھے (شش جہت) سے سنا کیونکہ کلام کو
خدائے بزرگ نے درخت میں پیدا کیا تھا۔ پھر اسکو اس درخت
سے پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس کو تمام جہتوں سے
سنا۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہم اس پر ایمان نہیں لاتے کہ جو
کچھ ہم نے سنا ہے وہ خدا کا کلام ہے یہاں تک کہ ہم خدا کو
کھلم کھلا دیکھ لیں۔ پس جب انھوں نے یہ بڑی بات کہی
اور تکبر اور سرکشی کی تو خدائے بزرگ نے ان پر بجلی بھیجی جس نے
ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے گرفتار کر لیا پس وہ مر گئے۔ موسیٰؑ
نے کہا اے پروردگار میں جب واپس جاؤں گا تو بنی اسرائیل
سے کیا کہوں گا جب وہ یہ کہیں گے کہ تم نے ان کو لیجا کر مار ڈالا
کیونکہ تم اپنی اللہ سے مناجات کے دعوے میں سچے نہ تھے۔
تو ان کو خدا نے زندہ کر کے موسیٰ کے ساتھ بھیجدیا پھر انھوں نے
کہا کہ اگر تم خود خدا سے سوال کرتے کہ وہ تمکو اس طرح دکھائی
دے کہ تم اس کو دیکھ لو تو وہ تمہاری دعا قبول کرتا اور تم ہمیں
خبر دے سکتے کہ وہ کیسا ہے تو ہم اس کی سچی معرفت حاصل کر لیتے
موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم یقین کرو کہ خدا آنکھوں سے دکھائی
نہیں دیتا اور نہ وہ صاحب کیفیت ہے وہ تو اپنی نشانیوں سے
پہچانا جاتا ہے اور اپنی علامتوں سے جانا جاتا ہے انھوں نے
کہا جب تک تم سوال نہ کرو گے ہم تو تم پر ایمان نہ لائیں گے
موسیٰ نے کہا اے پروردگار تو نے بنی اسرائیل کی گفتگو سنی

اللہ تو ان کی بیہودگی سے خوب واقف ہے تو خدائے بزرگ نے وحی کی کہ اے موسیٰؑ

انھوں نے تجھ سے جو کچھ سوال کرنے کو کہا ہے تو مجھ سے سوال کریں ان کی جہالت کے سبب تجھ سے مواخذہ نہ کروں گا۔ اس وقت موسیٰ نے کہا پروردگارا تو مجھے اپنی ایک جھلک دکھلا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ہاں پہاڑ کی طرف دیکھو۔ پس اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ حالانکہ وہ چمک رہا تھا۔ پھر جب پروردگار نے پہاڑ پر اپنی آیتوں میں سے ایک آیت (نشانی) کے ذریعہ سے تجلی ڈالی تو اسکو چکنا چور کر دیا۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب موسیٰ ہوش میں آئے تو کہنے لگے تو پاکیزہ ہے میں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی میں اپنی قوم کی جہالت سے تیرے بارے میں کنارہ کش ہو کر اپنی معرفت کی طرف پلٹ آیا۔ اور میں سب سے پہلے تیری عدم رویت کا یقین کرتا ہوں۔ یہ سنکر مامون نے کہا کہ اے ابو الحسنؑ خدا تمہارا بھلا کرے تمہاری فہم اللہ کی مہربانی ہے۔"

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے:—

(۱) جناب موسیٰ کی درخواست کا سبب یہ نہ تھا کہ آپ کو رویۃ باری تعالیٰ کے محال ہونے کی خبر نہ تھی، لہذا کلام الٰہی کے سننے کا شرف حاصل ہونے کے بعد شوق دیدار بھی پیدا ہوا بلکہ اپنی قوم کے جاہلانہ اصرار سے مجبور ہو کر بارگاہ رب العزت میں یہ درخواست پیش کی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ پہلے یہ عرض کر چکے تھے کہ "پروردگار تو بنی اسرائیل کی گفتگو کو سنتا ہے اور جانتا ہے کہ ان کی بہبودی کس بات میں ہے" اور ادھر سے سوال کی اجازت مل گئی تھی اور یہ اطمینان دلا دیا گیا تھا کہ قوم کی جاہلانہ روش کا مواخذہ اون سے نہیں کیا جائے گا اس امر کا ثبوت قرآن کی متعدد آیتوں میں بھی موجود ہے اور وہ یہ ہیں:—

پہلی آیت۔ فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذلک فقالوا ارنا اللہ جھرۃ فاخذتھم الصاعقۃ بظلمھم— "چنانچہ لوگوں نے موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑی چیز کا سوال کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دیجئے تو انھیں انکے ظلم کی وجہ سے بجلی نے آ لیا۔"

دوسری آیت۔ اذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون— "یاد کرو جبکہ تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم تیرا ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ تو تمہیں بجلی نے گرفت میں لے لیا۔ حالانکہ تم دیکھ رہے تھے۔"

تیسری آیت۔ فلما اخذتھم الرجفۃ قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل وایای اتھلکنا بما فعل السفھاء منا— "جب ان کو زلزلہ نے آ پکڑا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ پالنے والے اگر تو چاہتا تو مجھکو اور ان سب کو پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا کیا ہم میں سے چند بے وقوفوں کے فعل کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔"

(۲) خداوند عالم نے محض استقرار جبل کو رویت کی شرط نہیں قرار دیا ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ پہاڑ کا سکون و استقرار ممکن ہے لہذا جو بات اس پر معلق ہوگی وہ بھی ممکن ہوگی۔ بلکہ اس وقت کے استقرار و سکون کو شرط قرار دیا ہے جبکہ وہ متحرک ہو کر پاش پاش ہو جانے والا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ سکون کا حرکت کیساتھ جمع ہونا محال ہے لہذا رویت جو اسپر معلق کی گئی وہ بھی محال ہوگی۔ اور اسی اسلوب کلام کی نظیر وہ آیت بھی ہے جس میں کفار کے داخل جنت ہونے کی شرط یہ قرار دی گئی ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر جائے۔ علاوہ اس کے کلام عرب میں بکثرت نظیریں موجود ہیں منجملہ اون کے ایک شعر یہ ہے

اذا شاب الغراب اتیت اہلی
وصار القیر کاللبن الحلیب

(یعنی کوا جب بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو جائے گا اور تارکول سفید دودھ بن جائے گا تو میں اپنے اہل و عیال میں واپس آؤں گا)

(۳) اگرچہ جناب موسیٰؑ کا سوال فی الحقیقت معصیت نہ تھا کیونکہ قوم نے آپ کو اوس پر مجبور کیا تھا اور بارگاہ ایزدی سے اس کی اجازت بھی مل گئی تھی لیکن فی نفسہ خداوند عالم کی رفعت شان کے مناسب نہ تھا، نیز خود حضرت کلیمؑ کے تقرب اور عرفان کامل سے بہت بعید تھا خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو۔ اس لئے آپ نے "تبت الیک" فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ قوم کے اصرار نے مجھے جس نامناسب درخواست پر مجبور کیا تھا اس سے باز آ کر اپنے سابق عرفان و یقین کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بالجملہ انبیاء اور دیگر اہل عرفان کامل کی توبہ و انابت کو وجود معصیت کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کا کمال تذلل و خشوع اور شوق تقرب و انقطاع الی اللہ اون کو اپنے افعال و اقوال پر مطمئن نہ ہونے دیتا تھا۔ لہذا اپنی ہر حرکت و سکون کو قابل توبہ و استغفار سمجھتے تھے، اگرچہ اس میں مخالفت حق کا شائبہ بھی نہ تھا۔

(۴) "فلما تجلی ربہ للجبل" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند عالم نے اپنی نور ذات کا جلوہ دکھایا بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ نے اپنے ایک آیہ کو ظاہر فرمایا۔ نیز "للجبل" سے مراد اہل جبل ہیں جو اس وقت وہاں حاضر تھے۔

جس طرح آیۃ "واسئال القریۃ" میں ایک قریہ مقصود ہے۔

افادہ درباب رویت ہم نے اس سے قبل بھی "لاتدرکہ الابصار" کے ذیل میں چند احادیث نقل کر دی ہیں جن سے معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے استحالہ رویۃ باری تعالیٰ کے ثابت کرنے میں بعض دلائل نقلیہ پر اکتفا کیجاتی ہے جن میں اثبات رویت کرتے ہوئے اس کی حقیقت بھی بالتصریح بیان کر دی گئی ہے اگر اہل بصیرت ان پر نظر فرمائیں گے تو قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کے مطالب سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

(۱) عن ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت له اخبرنی عن اللہ عز وجل هل یراہ المؤمنون یوم القیامۃ قال نعم وقد رأوہ قبل یوم القیامۃ فقلت متی قال حین قال لهم الست بربکم قالوا بلی ثم سکت ساعۃ ثم قال وان المؤمنین لیرونه فی الدنیا قبل یوم القیامۃ الست تراہ فی وقتک هذا قال ابو بصیر فقلت له جعلت فداک فاحدث بهذا عنک فقال لا فانک اذا حدثت به فانکرہ منکر جاهل بمعنی ما تقول ثم قدر ان ذلک تشبیه کفر ولیست الرؤیۃ بالقلب کالرؤیۃ بالعین تعالی اللہ عما یصفه المشبهون والملحدون

"ابو بصیر سے مروی ہے وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؑ سے کہا کہ مجھکو اللہ کے بارے میں خبر دیجئے کہ کیا اس کو مومنین بروز قیامت دیکھیں گے تو آپ نے فرمایا ہاں دیکھیں گے جبکہ انھوں نے اس کو روز قیامت سے پہلے بھی دیکھا ہے۔ میں نے کہا کب دیکھا ہے تو فرمایا جب اس نے کہا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ ہاں ضرور ہے پھر آنحضرت تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا اور مومنین تو اس کو روز قیامت سے پہلے دنیا ہی میں دیکھیں گے کیا تو اسکو اس وقت نہیں دیکھ رہا ہے؟ ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں میں اسکو آپ کی طرف سے بیان کر دوں تو آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ جب تو اس کو بیان کرے گا تو جاہل منکر جن معنی سے تو کہے گا اس کا انکار کرے گا۔ پھر معین کیا کہ یہ تشبیہ کفر ہے اور رویت قلبی رویت عینی کے مانند نہیں ہے۔ خدا اس وصف سے جو تشبیہ دینے والے کافر بیان کرتے ہیں بالا ہے۔"

(۲) عن هشام قال کنت عند الصادق جعفر بن محمد علیهما السلام اذ دخل علیه معاویۃ بن وهب وعبد الملک بن اعین فقال له معاویۃ بن وهب

یا ابن رسول اللہ ما تقول فی الخبر الذی روی ان رسول اللہ صلعم رأی ربه علی ای صورۃ رآہ وعن الحدیث الذی رووہ ان المؤمنین یرون ربهم فی الجنۃ علی ای صورۃ یرونه فتبسم علیه السلام ثم قال یا معاویۃ ما اقبح بالرجل یاتی علیه سبعون سنۃ او ثمانون سنۃ یعیش فی ملک اللہ ویاکل من نعمه ثم لا یعرف اللہ حق معرفته ثم قال یا معاویۃ ان محمدا صلعم لم یر الرب تبارک وتعالی بمشاهدۃ العیان وان الرؤیۃ علی وجهین رؤیۃ القلب ورؤیۃ البصر فمن عنی برؤیۃ القلب فهو مصیب ومن عنی برؤیتها البصر فقد کفر باللہ وبآیاته لقول رسول اللہ صلعم من شبه اللہ بخلقه فقد کفر ولقد حدثنی ابی عن ابیه عن الحسین بن علی علیهما السلام قال سئل امیر المؤمنین فقیل یا اخا رسول اللہ هل رأیت ربک فقال وکیف اعبد من لم اره لم تره العیون بمشاهدۃ العیان ولکن رأته القلوب بحقائق الایمان

انتهی نقد الحاجۃ

"ہشام سے مروی ہے کہ میں امام صادق جعفر بن محمد علیہما السلام کے پاس تھا کہ ناگاہ معاویہ بن وہب اور عبد الملک بن اعین آنحضرت کے پاس گئے اور معاویہ بن وہب نے آنحضرت سے کہا کہ یابن رسول اللہ آپ اس خبر کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے پروردگار کو جس صورت سے بھی دیکھا دیکھ لیا اور اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ مومنین اپنے پروردگار کو جنت میں جس صورت سے بھی دیکھیں گے دیکھ لیں گے بس حضرت نے مسکرا کر فرمایا اے معاویہ کتنا برا ہے وہ شخص جسکو اللہ کے ملک میں رہتے ہوئے اور اس کی نعمتیں کھاتے ہوئے ستر یا اسی برس گزر گئے اور وہ اللہ کی معرفت جیسی ہونی چاہئے نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا اے معاویہ محمد صلعم نے بھی پروردگار کو بچشم ظاہر نہیں دیکھا۔ رویت کی دو قسمیں ہیں رویت قلبی اور رویت بصری جس نے رویت قلب مراد لی ہے وہ راستی پر ہے جس نے رویت بصر مراد لی ہے اس نے اللہ اور اس کی آیت کا انکار کیا۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دی اس نے کفر کیا۔ اور مجھ سے میرے باپ نے انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے حسین بن علی علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ سے دریافت کیا گیا کہ اے برادر رسول خدا کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نہیں دیکھا اس کی عبادت کیسے کرتا ہوں اس کو آنکھیں بظاہر نہیں دیکھیں گی۔ لیکن قلوب اس کو حقائق ایمان کے ذریعہ سے دیکھیں گے۔"

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

"جو لوگ (خدا کی) زمین پر ناحق اکڑتے پھرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے بہت جلد پھیر دوں گا اور (میں کیا پھیروں گا خود ان کا دل ایسا سخت ہے کہ) اگر (دنیا جہان کے) سارے معجزے بھی دیکھ لیں تو بھی یہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور اگر سیدھا راستہ دیکھ بھی پائیں تو بھی اپنی راہ نہ پائیں گے۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں گے تو جھٹ پٹ اسکو اپنا طریقہ بنا لیں گے یہ کجروی اس سبب سے ہوئی کہ ان لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور ان سے غفلت کرتے رہے"۔

(۱) پروردگار عالم نے بنی اسرائیل کو احکام توریۃ پر عمل کرنے کا حکم دینے کے بعد ان سے پہلے وعدہ فرمایا کہ ہم تمہیں عنقریب اون اقوام سابقہ کے ویران مواطن و منازل دکھائیں گے جو کفر و فسق کے سبب سے ہلاک کر دی گئیں تاکہ ان سے عبرت حاصل کرو۔ پھر دوسرا وعدہ فرمایا کہ جو لوگ روئے زمین پر تکبر و غرور کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور جن کی دشمنی سے تمکو خوف لاحق رہتا ہے اون کو ہم جلد ہی ہلاک و برباد کر دیں گے جس سے ہماری احکام کی تبلیغ و تعمیل میں رکاوٹ باقی نہ رہے گی اور تم اون کے شرور سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

(۲) "ذالک بان کذبوا" الخ کا تعلق "وان یروا کل آیۃ" الخ سے ہے اور محصل کلام یہ ہے کہ اون کفار متکبرین کی راہ راست سے روگردانی اور کج روی محض اس بات کا نتیجہ ہے کہ اونھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ہمیشہ اون کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ

اور موسےٰ کی قوم نے ان کے (کوہ طور پر) جانے کے بعد اپنے زیوروں سے (ڈھلاکر) ایک بچھڑے کی مورت بنائی (یعنی) ایک جسم جس میں گائے کی سی آواز تھی۔

اس قصہ کے متعلق جتنی باتیں قابل تفصیل ہیں۔ وہ سورہ طٰہ کے حواشی میں عنقریب بیان کی جائیں گی۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا

ہمارا وعدہ پورا کرنے کو (کوہ طور پر لے جانے کے واسطے موسےٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کو چنا۔

اس آیت میں اسی میقات کا ذکر ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ دنیا میں میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔ ایمان و کفر کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ لیکن آخرت میں ایسا نہ ہو گا۔ بلکہ وہ اہل تقویٰ و ایمان کے لئے مخصوص کر دی جائے گی۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ

جو لوگ ہمارے نبی اُمّی پیغمبر کے قدم بقدم چلتے ہیں جس (کی بشارت) کو اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلعم نے رسمی طور پر کسی اوستاد سے لکھنا پڑھنا کبھی نہیں سیکھا تھا اس لئے خداوند عالم نے آپ کو "اُمّی" کا لقب عطا فرمایا جس کے معنی ان پڑھ جاہل کے ہیں۔ لیکن تفاسیر معصومین میں اس کی دوسری وجہ بتائی گئی ہے جو ان حدیثوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

پہلی حدیث عن الباقر علیہ السلام انہ سئل لم سمی النبی الامی قال نسب الی مکۃ و ذلک من قول اللہ لینذر ام القریٰ و من حولھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ نبی کو اُمّی کیوں کہا گیا ہے تو آنحضرت نے فرمایا کہ مکہ کی طرف منسوب ہیں اور اس پر دلیل قول خدا لینذر ام القریٰ و من حولھا ہے اور ام القریٰ مکہ ہے۔

ام القریٰ مکۃ فقیل امی لذلک۔

پس اسی وجہ سے حضرت امی کہے گئے۔ (یعنی ام القریٰ کی طرف منسوب ہونے سے آپ کا لقب امی ہوا)

دوسری حدیث

عن الجواد علیہ السلام انہ سُئل عن ذلک فقال مایقول الناس

قیل یزعمون انہ سمی الامی لانہ لم یحسن ان یکتب فقال کذبوا علیہم لعنۃ اللہ انی ذلک واللہ یقول هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم آیاتہ ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمۃ فکیف کان یعلمهم مالا یحسن واللہ لقد کان رسول اللہ یقرء ویکتب باثنین وسبعین اوقال ثلاث وسبعین لسانا وانما سمی الامی لانہ کان من اهل مکۃ ومکۃ من امهات القری وذلک قول اللہ عزوجل لتنذر ام القری ومن حولها۔

امام محمد تقی علیہ السلام سے یہی سوال کیا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں، کہا گیا کہ ان کا خیال یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اس لئے اُمّی کہتے ہیں کہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے پس آنجناب نے فرمایا وہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے۔ حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاتہ ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمۃ۔ پس جو خود نہیں جانتا وہ دوسروں کو کیسے سکھائے گا قسم بخدا رسولؐ بہتر یا تہتر زبانوں میں لکھتے پڑھتے تھے اور اُمّی اس لئے کہے گئے چونکہ آپ اہل مکہ سے تھے اور مکہ امہات القریٰ میں سے ہے اور اس پر قول خدا لتنذر ام القریٰ ومن حولها دلیل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم نے کسی انسان سے ملکۂ قرأت وکتابت کا اکتساب کبھی نہیں کیا تھا اور یہ امر آپ کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لئے قوی ترین دلیل ہے کیونکہ یہ بات بالکل خلاف عادت ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے ایک دن بھی انسانی وسیلہ سے علوم رسمیہ کی تحصیل نہ کی ہو بغیر واسطہ وحی والہام تمام علوم اولین وآخرین کا مالک ہوجائے اور نفس انسانی کی تکمیل وتہذیب کے لئے ایسی جامع کتاب اور اتنی مکمل شریعت دنیا کے سامنے پیش کرسکے کہ جس کے مقابلے میں جملہ حکمائے عالم کی تعلیمات محض بے حقیقت ٹھہریں لیکن یہ امر عقل سلیم کے نزدیک لائق قبول نہیں ہوسکتا کہ خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو محض اس وجہ سے کہ انسانی تعلیم کا اتفاق اس کو کبھی نہیں ہوا تھا مقام مدح میں ”اُمّی“ کا لقب عطا کیا ہو جس کے معنی ”جاہل“ کے ہیں اگر یہ امر مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اگر بجائے اُمّی کے جاہل کی لفظ وارد ہوتی تو وہ بھی مدح قرار پاسکتی تھی حالانکہ اس کو باور کرنے کی جرأت کوئی عاقل نہیں کرسکتا لہذا اس لفظ اُمّی کی وہی تفسیر صحیح ہے جو اقوال ائمہ معصومین سے مستفاد ہوتی ہے۔

ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم۔

اور وہ (سخت) احکام کا بوجھ جوان کی گردن پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر

پڑے ہوئے تھے ان سے ہٹا دیتا ہے۔

”اصر“ سے مراد تکالیف شدیدہ ہیں بوجہ شدت کے ان کو بارگراں سے تشبیہ دی ہے ”اغلال“ سے مقصود وہ عہود ومواثیق ہیں جو خدا نے بنی اسرائیل سے لئے تھے اور ان کا پورا کرنا بنی اسرائیل پر لازم تھا۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی مانگا تو ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنی چھڑی پتھر پر مارو۔

یہ سب واقعات سورۂ بقر میں بیان ہو چکے ہیں لہذا یہاں تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ

جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد سے یعنی پشتوں سے (باہر نکال کر) ان کی اولاد سے خود انھیں کے مقابلہ میں اقرار کرالیا (یوچھا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب کے سب بولے ہاں ہم اس کے گواہ ہیں (یہ ہم نے اس لئے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ (کہیں) تم قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے۔

جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں فرمایا ہے کہ

قد ظن بعض من لا بصیرۃ لہ ولا فطنۃ عندہ ان تاویل هذہ الآیۃ ان اللہ استخرج من ظهر آدم جمیع ذریتہ وهم فی خلق الذر فعرفهم بنفسہ واشهدهم علی انفسهم وهذا التاویل مع ان العقل یبطلہ ویحیلہ مما یشهد ظاهر القرآن بخلافہ لان اللہ تعالیٰ قال واذ اخذ ربک من بنی آدم ولم یقل من آدم وقال من ظهورهم ولم یقل من ظهرہ وقال ذریاتهم

عقل ودانش سے عاری شخص کا گمان ہے کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ خدا نے آدم کی پشت سے ان کی تمام ذریت کو نکالا جبکہ وہ خلقت ذر میں تھے پس ان کو اپنی معرفت کرائی۔ اور ان ہی کو ان کے نفوس پر گواہ بنایا اور اس تاویل کو عقل باطل کہتی ہے اور ظاہر قرآن بھی اس کے خلاف شہادت دیتا ہے کیونکہ خدا نے اذ اخذ ربک من بنی آدم فرمایا اور من آدم نہیں فرمایا اور من ظهورهم فرمایا من ظهرہ نہیں فرمایا اور

ام القریٰ مکۃ فقیل امی لذلک۔

دوسری حدیث عن الجواد علیہ السلام انہ سئل عن ذلک فقال مایقول الناس

قیل یزعمون انہ سمی الامی لانہ لم یحسن ان یکتب فقال کذبوا علیہم لعنۃ اللہ انی ذلک واللہ یقول ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ فکیف کان یعلمہم مالا یحسن واللہ لقد کان رسول اللہ یقرء ویکتب باثنین وسبعین او قال بثلاث وسبعین لسانا و انما سمی الامی لانہ کان من اھل مکۃ ومکۃ من امہات القریٰ وذلک قول اللہ عز وجل لتنذر ام القریٰ ومن حولہا۔

پس اسی وجہ سے حضرت امی کہے گئے۔ (یعنی ام القریٰ کی طرف منسوب ہونے سے آپ کا لقب امی ہوا)

امام محمد تقی علیہ السلام سے یہی سوال کیا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں، کہا گیا کہ ان کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت کو اس لئے اُمی کہتے ہیں کہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے پس آنجناب نے فرمایا وہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے۔ حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔ پس جو خود نہیں جانتا وہ دوسروں کو کیسے سکھائے گا قسم بخدا رسول بہتر یا تہتر زبانوں میں لکھتے پڑھتے تھے اور اُمی اس لئے کہے گئے چونکہ آپ اہل مکہ سے تھے اور مکہ امہات القریٰ میں سے ہے اور اس پر قول خدا لتنذر ام القریٰ ومن حولہا دلیل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم نے کسی انسان سے ملکۂ قرأت وکتابت کا اکتساب کبھی نہیں کیا تھا اور یہ امر آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے قوی ترین دلیل ہے کیونکہ یہ بات بالکل خلاف عادت ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے ایک دن بھی انسانی وسیلہ سے علوم رسمیہ کی تحصیل نہ کی ہو بغیر واسطہ وحی والہام تمام علوم اولین وآخرین کا مالک ہو جائے اور نفس انسانی کی تکمیل و تہذیب کے لئے ایسی جامع کتاب اور اتنی مکمل شریعت دنیا کے سامنے پیش کر سکے جس کے مقابلے میں جملہ حکمائے عالم کی تعلیمات محض بے حقیقت ٹھہریں لیکن یہ امر عقل سلیم کے نزدیک لائق قبول نہیں ہو سکتا کہ خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو محض اس وجہ سے کہ انسانی تعلیم کا اتفاق ان کو کبھی نہیں ہوا تھا۔ مقام مدح میں "اُمی" کا لقب عطا فرمایا ہو جس کے معنی "جاہل" کے ہیں اگر یہ امر مان لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اگر بجائے اُمی کے جاہل کا لفظ وارد ہوتی تو وہ بھی مدح قرار پا سکتی تھی حالانکہ اس کو باور کرنے کی جرأت کوئی عاقل نہیں کر سکتا لہذا اس لفظ اُمی کی وہی تفسیر حق ہے جو اقوال ائمہ معصومین سے مستفاد ہوتی ہے۔

ویضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیہم

اور وہ (سخت) احکام کا بوجھ جو ان کی گردن پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر

(پڑے ہوئے) تھے ان سے ہٹا دیتا ہے۔

"اصر" سے مراد تکالیف شدیدہ ہیں بوجہ شدت کے ان کو بارگراں سے تشبیہ دی ہے "اغلال" سے مقصود وہ عہود و مواثیق ہیں جو خدا نے بنی اسرائیل سے لئے تھے اور ان کا پورا کرنا بنی اسرائیل پر لازم تھا۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی مانگا تو ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنی چھڑی پتھر پر مارو۔

یہ سب واقعات سورۂ بقر میں بیان ہو چکے ہیں لہذا یہاں تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ

جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد سے یعنی پشتوں سے (باہر نکال کر) ان کی اولاد سے خود ان ہی کے مقابلہ میں اقرار کرا لیا (پوچھا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب کے سب بولے ہاں ہم اس کے گواہ ہیں (یہ ہم نے اس لئے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ (کہیں) تم قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے۔

جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں فرمایا ہے کہ

قد ظن بعض من لا بصیرۃ لہ ولا فطنۃ عندہ ان تاویل ھذہ الآیۃ ان اللہ استخرج من ظہر آدم جمیع ذریتہ وھم فی خلق الذر فقررھم بمعرفتہ واشہدھم علی انفسہم وھذا التاویل مع ان العقل یبطلہ ویحیلہ مما یشہد ظاہر القرآن بخلافہ لان اللہ تعالیٰ قال واذ اخذ ربک من بنی آدم ولم یقل من آدم وقال من ظہورھم ولم یقل من ظہرہ وقال ذریاتہم

عقل ودانش سے عاری شخص کا گمان ہے کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ خدا نے آدم کی پشت سے ان کی تمام ذریت کو نکالا جبکہ وہ خلقت ذر میں تھے پس ان کو اپنی معرفت کرائی۔ اور ان ہی کو ان کے نفوس پر گواہ بنایا اور اس تاویل کو عقل باطل کہتی ہے اور بظاہر قرآن بھی اس کے خلاف شہادت دیتا ہے کیونکہ خدا نے اذ اخذ ربک من بنی آدم فرمایا اور من آدم نہیں فرمایا اور من ظہورہم فرمایا من ظہرہ نہیں فرمایا اور

ولم يقل ذريته ثم اخبر تعالى بانه فعل ذلك لئلا
يقولوا انهم كانوا غافلين او يعتذروا بشرك آبائهم
وانهم نشأوا على دينهم وسنتهم وهذا يقتضي ان
الآية لم تتناول ولد آدم لصلبه وانها تناولت
من كان له آباء مشركون وهذا يدل على اختصاصها
ببعض ولد آدم فهذه شهادة الظاهر ببطلان
تاويله فاما شهادة العقل فمن حيث لا تخلو
هذه الذرية التي استخرجت من ان تكون من
ظهر آدم فخوطبت وقررت ان تكون كاملة العقل مستوفية
بشروط التكليف او لا تكون كاملة العقول مستوفية
بشروط التكليف فان كانت بالصفة الاولى
وجب ان يذكر هؤلاء بعد خلقهم وانشائهم و
اكمال عقولهم ما كانوا عليه في تلك الحال وما
قرروا به واستشهدوا عليه لان العاقل لا ينسى
ما يجري هذا المجرى وان بعد العهد وطال الزمان
ولهذا لا يجوز ان يتصرف احدنا في بلد من البلدان
وهو عاقل كامل فينسى مع بعد العهد جميع تصرفه
المتقدم وسائر احواله وليس ايضا لتخلل الموت
بين الحالين تاثير لانه لو كان تخلل الموت يزيل
الذكر لكان تخلل النوم والسكر والجنون والاغماء
من احوال العقلاء يزيل ذكرهم لما مضى من احوالهم
لان سائر ما عددناه مما ينفي العلوم يجري مجرى
الموت في هذا وليس لهم ان يقولوا اذا جاز في العاقل
الكامل ان ينسى ما كان عليه في حال الطفولية جاز ما
ذكرناه وذلك انما اوجبنا ذكر العقلاء لما ادعوا

ذریاتھم فرمایا ذریتہ نہیں فرمایا پھر یہ بھی بتا دیا کہ اس نے
اس کام کو اس لئے کیا تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ غافل تھے
یا یہ معذرت کر سکیں کہ ان کے آباؤ مشرک تھے اور وہ ان
کے دین اور طریقہ پر پلے بڑھے ہیں اور یہ اس کو متقضی ہے کہ
آیت آدم کے صلب کی اولاد کو مشتمل نہ ہو بلکہ ان لوگوں کو مشتمل
ہو جن کے آبا مشرک تھے اور یہ بعض اولاد آدم سے اختصاص
پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا خود ظاہر اس تاویل کے بطلان پر
شہادت دیتا ہے لیکن شہادت عقل پس اس طرح ہے کہ
وہ ذریت جن کو آدم کی پشت سے نکالکر خطاب کیا گیا ہے
دو حال سے خالی نہیں یا تو کامل العقل شرائط تکلیف کی حامل
ہو گی یا نہ ہو گی۔ پس اگر صفت اول پر ہو گی تو ضروری ہے کہ یہ لوگ
اپنے پیدا ہونے اور نشو نما پانے اور کامل العقل ہونے کے بعد اس
کو یاد رکھیں جس پر وہ سابق میں تھے اور اقرار کر چکے تھے اور
شہادت دے چکے تھے کیونکہ صاحب عقل بعد عہد اور طول زمان کے
باوجود ایسی باتوں کو نہیں بھولتا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی
شہر میں بحالت عقل متصرف رہے تو وہ اپنے اگلے تمام تصرفات
اور تمام احوال کو فراموش کر بیٹھے گا بلکہ دونوں حالتوں کے
مابین موت کے حائل ہونے کو کچھ دخل نہیں ہے کیونکہ اگر
موت کا درمیان میں ہونا یادداشت کو زائل کر دے تو
نیند اور نشہ اور جنون اور بیہوشی وغیرہ حالات ان کے
گذرے ہوئے حالات کی یاد مٹا دیں گے۔ کیونکہ ہمارا
شمار کردہ تمام باتیں اس فعل پر جو منافی علم ہیں قائم مقام
موت ہیں۔

وہ لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عاقل کامل بچپنے کی باتوں
کو بھول جاتا ہے لہذا ذریت آدم کا بھول جانا بھی جائز ہے

اذا كملت عقولهم من حيث جرى عليهم وهم كاملوا العقول
ولو كانوا بصفة الاطفال في تلك الحال لم توجب عليهم
ما اوجبناه على ان تجويز النسيان عليهم ينقض الغرض
في الآية وذلك ان الله تعالى اخبرنا بانه انما
قررهم واشهدهم لئلا يدعوا يوم القيامة الغفلة
وسقوط الحجة عنهم فيه فاذا جاز نسيانهم له عاد
الامر الى سقوط الحجة وزوالها وان كانوا على الصفة
الثانية من فقد العقل وشرائط التكليف قبح خطابهم
وتقريرهم واشهادهم وصار ذلك عبثا قبيحا فان
قيل قد ابطلتم تأويل مخالفيكم فما تأويلها الصحيح عندكم
قلنا في الآية وجهان احدهما ان يكون تعالى انما عنى
بها جماعة من ذرية بني آدم خلقهم وبلغهم واكمل
عقولهم وقررهم على ألسن رسله عليهم بمعرفته و
ما يجب من طاعته فاقروا بذلك واشهدهم على
انفسهم لئلا يقولوا يوم القيامة انا كنا عن هذا
غافلين او يعتذروا بشرك آبائهم۔

والجواب الثاني انه تعالى لما خلقهم وركبهم تركيبا
يدل على معرفته ويشهد بقدرته ووجوب عبادته
واراهم العبر والآيات والدلائل في انفسهم وفي
غيرهم كان بمنزلة المشهد لهم على انفسهم وكانوا
في مشاهدة ذلك ومعرفته وظهوره فيهم على
الوجه الذي اراده الله تعالى وتعذر امتناعهم
منه وانفكاكهم من دلالته بمنزلة المقر المعترف وان
لم يكن هناك اشهاد ولا اعتراف على الحقيقة ويجري
ذلك مجرى قوله تعالى ثم استوى الى السماء وهي

کیونکہ اسی لئے ہم نے عقلا کے یاد رکھنے کو ضروری کیا جبکہ ان
کا لحاظ کامل العقل ہونے کی صورت میں ہو اور اگر وہ اس
وقت بچوں کی صفت پر تھے تو ہماری پیش کردہ بات ان کے لئے
لازم نہیں ہے۔ پھر بھول کو جائز رکھنا آیت کی غرض کا ناقض ہے
اور وہ یہ ہے کہ خدا نے ہم کو خبر دی کہ ہم نے ان سے اقرار لیا
اور ان کو گواہ بنایا تاکہ قیامت کے روز وہ لوگ غفلت کے
مدعی نہ ہوں اور ان سے حجت ساقط ہو پس جب ان کا بھول جانا
جائز ہے تو بات سقوط و زوال حجت کی طرف پہنچتی ہے۔ اور اگر
صفت ثانیہ یعنی عقل اور شرائط تکلیف کا ان میں اس وقت فقدان
تھا تو ان سے خطاب کرنا اور اقرار لینا اور گواہ بنانا قبیح اور
عبث ہوا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ تم نے اپنے مخالفین کا قول
باطل کر دیا لہذا تمہارے نزدیک اس آیت کی صحیح تاویل کیا ہے
تو ہم کہیں گے کہ آیت میں دو وجہیں ہیں ایک یہ ہے کہ خدا نے
آیت میں ذریت بنی آدم کی ایک ایسی جماعت مراد لی ہے جن کو
پیدا کیا اور بالغ اور کامل العقل بنایا اور اپنے پیغمبروں کو ان
کے پاس بھیج کر ان سے اپنی معرفت اور اپنی اطاعت کا اقرار لیا
پس انھوں نے اس کا اقرار کیا اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ
بنا لیا تاکہ قیامت کے روز وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس سے غافل
تھے یا اپنے آباء کے مشرک ہونے کی معذرت کریں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چونکہ ان کو پیدا کیا اور
ان کو ایسی ترکیب سے مرکب بنایا جو ان کی معرفت پر دلالت کرتا ہے
اور اس کی قدرت کی شہادت دیتا ہے اور اس کی عبادت کو واجب
کرتا ہے اور ان کو عبرتیں اور نشانیاں اور دلیلیں خود ان میں اور ان
کے غیروں میں دکھانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کو ان کے نفسوں پر گواہ
بنانا ہے اور وہ لوگ اپنے اندر اس کے ظاہر ہونے اور

دخان فقال لها وللارض ائتیا طوعاً او کرهاً قالتا
اتینا طائعین وان لم یکن منه تم قول علے الحقیقة
ولا منها جواب ومثله قوله تم شاهدین علے انفسهم
بالکفر ونحن نعلم ان الکفار لم یعترفوا بالکفر بالسنتهم
وانما ذلک لما ظهر منهم ظهوراً لا یتمکنون من دفعه کانوا
بمنزلة المعترفین به ومثل هذا قولهم
جوارحی تشهد بنعمتک وحالی معترفة
باحسانک وما روی من بعض الحکماء من قوله
سل الارض من شق انهارک وغرس اشجارک
وجنے ثمارک فان لم تجبک حواراً اجابتک
اعتباراً وهذا باب کبیر وله نظائر کثیرة
فی النظم والنثر یغنی عن ذکر جمیعها القدر
الذی ذکونا ه منها ۔

پہچاننے اور مشاہدہ کرنے میں ایسی حالت پر تھے جس کا خدائے تعالیٰ
ان سے ارادہ فرمایا ہے۔ اور ان کا اس رہنمائی سے جدا ہونا اور باز
ایسا ہوگیا کہ ان کے اقرار و اعتراف کرنے کے برابر ہوگیا اگرچہ
یہاں پر۔ انہوں نے اعتراف یا شہادت نہیں دی ہے۔
اور یہ ایسا ہی ہے جیسے قول باری تعالیٰ ہے۔ پھر وہ آسمان کیطرف
متوجہ ہوا درانحالیکہ وہ دھواں تھا پس اس سے اور زمین
سے کہا کہ تم دونوں تابعدار اور مجبور بن کر آؤ ان دونوں نے کہا کہ ہم
دونوں اطاعت گذار بن کر آگئے۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ
نہ یہ واقعاً ارشاد ہوا اور نہ ان دونوں کا جواب ملا اور اسی
طرح اس کا یہ قول ہے۔ درانحالیکہ وہ لوگ اپنے نفسوں پر کفر کی
شہادت دینے والے ہیں۔ حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ کفار نے
اپنی زبان سے کفر کا اعتراف نہیں کیا مگر جب یہ امر ان سے اس
طرح ظاہر ہوگیا کہ وہ اس کا انکار نہیں کرسکتے تو وہ بمنزلہ اعتراف
کے ہوگئے۔ اسی طرح ہے ان کا قول۔ میرے اعضا تیری نعمت
کی گواہی دیتے ہیں اور میری حالت تیرے احسان کی معترف ہے۔
اور ایک حکیم کا قول مروی ہے کہ۔ زمین سے اس کی نہروں کے
شق کرنے اور درختوں کے نصب کرنے اور پھلوں
کے توڑنے کو پوچھ لے پس اگر وہ تجھ کو کلام سے جواب نہ
دے گی تو جواب اعتباری دے گی۔ یہ ایک طویل باب
ہے اور اس کی مثالیں نظم و نثر میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔
یہاں پر جتنا ہم نے بیان کیا وہ کل کے بیان سے مستغنی کرتا ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِیٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ

اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُکْهُ یَلْهَثْ ۔

اور (اے رسولؐ) تم ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان نے اس کا پیچھا پکڑ لیا اور آخر کار وہ گمراہ ہوگیا اگر ہم چاہتے تو اسے انھیں آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے مگر وہ تو خود ہی پستی کی طرف جھک پڑا اور اپنی نفسانی خواہش کا تابعدار بن بیٹھا تو اس کی مثل اس کتے کی مثل ہے کہ اگر اس کو دھتکار دو تو بھی زبان نکالے رہے ۔ اور اس کو چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے ۔

اس آیت کے متعلق چند باتیں یہاں قابل ذکر ہیں ۔

(۱) حضرت موسیٰؑ کے عہد میں بلعم باعور نامی ایک شخص تھا جو دین الٰہی کا عالم اور حجج و آیات کا عارف تھا مگر اس نے خواہش نفسانی کی پیروی میں دین حق کو چھوڑ کر کفر و ضلالت کی راہ اختیار کرلی اوسی کے واقعہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

(۲) "لو شئنا لرفعناہ بھا"، کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اپنی قدرت سے اس کو کافر و عاصی بننے سے بعض رکھتے اور جو علم و معرفت وہ رکھتا تھا اس کو رفعت درجات کا وسیلہ بنا دیتے مگر ایسا کرنا شرائط تکلیف کے خلاف تھا لہذا اوسکو مومن رہنے پر مجبور نہیں کیا ۔

(۳) محصل تمثیل یہ ہے کہ جو شخص حریص گمراہ اور سگ دنیا بن گیا ہو اوسکی حرص کسی حالت میں کم نہیں ہوتی خواہ اس کو وعظ و نصیحت کی جائے یا اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے بہرصورت وہ حرص و ضلالت سے بعض نہیں آسکتا کیونکہ نفسانی خواہشوں کا حکم اوس کی عقل پر غالب آچکا ہے اور یہ بری خصلتیں اوس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہیں ۔ لہذا اوسکی مثال ایسے کتے کی ہے جو زبان نکالے رہنے کی عادت رکھتا ہو خواہ اوسکو دھتکار دیا اوسکی حالت پر چھوڑ دو بہرصورت وہ اپنی عادت ہی پر باقی رہے گا ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔

اور اچھے (اچھے) نام خدا ہی کے خاص ہیں تم اسے انھیں ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دو اور وہ بہت جلد اپنے کرتوت کی سزا پائیں گے ۔

کفار دو صورتوں سے اسمائے الٰہیہ میں الحاد کرتے تھے ایک تو یہ کہ اوسکے ناموں میں تھوڑا تغیر دیکر بتوں کا نام رکھ لیتے تھے مثلاً اللہ سے لات اور عزیز سے عزیٰ امشتق کر لیا تھا۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ خدا کی طرف ایسے ناموں کو منسوب کرتے تھے جو اوسکے مناسب شان نہ تھے اور جن کی اجازت اوسکی طرف سے نہیں دی گئی تھی۔ ایک حدیث طویل میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا ہے۔

ولله الاسماء الحسنى التى لا يسمى بها غيره وهى التى وصفها فى الكتاب فقال فادعوه بها وذروا الذين يلحدون فى اسمائه جهلا بغير علم فالذى يلحد فى اسمائه بغير علم يشرك وهو لا يعلم ويكفر به وهو يظن انه يحسن۔

اس (خدا) کے لئے ایسے اچھے نام ہیں جن سے اس کا غیر موسوم نہیں ہے۔ یہ وہ ہیں جن کو اُس نے کتاب (قرآن) میں بیان کیا ہے فرمایا ہے کہ اس کو انھیں ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں بغیر سمجھے کفر کرتے ہیں پس جو اس کے ناموں میں بے سمجھے الحاد کرتا ہے وہ بے سمجھے شرک کرتا ہے اور کفر کرتا ہے اس گمان میں کہ وہ ٹھیک کر رہا ہے۔

نیز اصول کافی میں جناب امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔

ان الله لا يوصف الا بما وصف به نفسه وانّى يوصف الذى تعجز الحواس ان تدركه والاوهام ان تناله والخطرات ان تحده والابصار عن الاحاطة به جل عما يصفه الواصفون۔

بیشک خدا کو اسی صفت سے متصف کیا جا سکتا ہے جس سے اس نے خود کو متصف کیا ہے اور اس ذات کا کیسے وصف بیان کیا جا سکتا ہے جس کے ادراک کرنے سے حواس خمسہ اور جسکو دریافت کرنے سے اوہام اور جس کی حدبندی سے خطرات اور اس کا احاطہ کرنے سے آنکھیں لاچار ہیں وہ اس صفت سے بالاتر ہے جو بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ

اور ہماری مخلوقات سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق ہی (حق) انصاف بھی کرتے ہیں۔

مشکوۃ میں یہ حدیث مروی ہے۔

عن ثوبان مولے رسول الله صلعم قال سمعت رسول الله صلعم يقول لا تزال من امتى امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتے ياتى امر الله على الناس متفق عليه۔

رسولخدا کے غلام ثوبان سے مروی ہے، اس نے بیان کیا کہ میں نے رسولخدا صلعم کو بیان کرتے سنا ہے! میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم کو قائم کرنیوالا ہے گا اس گروہ کو چھوڑ دینے والا اور اسکی مخالفت کرنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گا تا اینکہ لوگوں تک حکم خدا آجائے۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے)

اس طرح کی حدیثیں ترمذی وغیرہ کتب معتبرہ میں بھی مروی ہیں۔

وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ

"اور میں انھیں (دنیا میں) ڈھیل دوں گا۔ بے شک میری تدبیر (پختہ اور) مضبوط ہے"

جو نعمات کفار کو عطا کی جاتی ہیں وہ بظاہر تو تفضل و احسان الٰہی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت سراسر غضب وخذلان کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے اون کو "کید" سے تعبیر فرمایا۔ اور مقصود اس سے اہل ایمان کو یہ بتانا ہے کہ اگر اہل کفر و معصیت کو خوشحالی اور فارغ البالی میں مدت دراز تک زندگی بسر کرتے دیکھیں تو یہ نہ سمجھیں کہ تاخیر عقوبت سے تفضل و احسان مقصود ہے بلکہ یہ بھی غضب الٰہی کی دوسری صورت ہے۔ اسی طرح جابجا یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ اہل ایمان کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنے کی غرض امتحان و ابتلا ہے تاکہ بقدر صبر و ثبات قدم اون کے مدارج بلند کئے جائیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس آیت کے مطلب کو ان کلمات میں واضح فرمایا ہے:۔۔

كم من مستدرج بالاحسان اليه ومغرور بالستر ومفتون بحسن القول فيه وما ابتلى الله احداً بمثل الاملاء له (نہج البلاغہ)

"بہت سے لوگوں کو نیک سلوک نے عذاب مہلت میں مبتلا کر رکھا ہے اور بہت سے پردہ پوشی کی وجہ سے دھوکے میں پڑے ہیں۔ اور اپنے متعلق اچھی گفتگو کی وجہ سے فریب خوردہ ہیں اور مہلت دینے سے بڑھ کر اللہ نے اور کسی چیز سے امتحان نہیں لیا۔"

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ

"اور اگر (بغیر خدا کے بتائے) غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا۔ اور مجھے کبھی کوئی تکلیف بھی نہ پہونچتی۔"

اس کلام سے جس کو بحکم الٰہی آنحضرت صلعم نے فرمایا فقط اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ آپ بذات خود عالم الغیب نہ تھے بلکہ تعلیم الٰہی کے محتاج تھے، اور یہ بالکل مطابق واقع ہے کیونکہ کوئی شخص خواہ وہ نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو علم ذاتی سے متصف نہیں ہو سکتا۔ یہ صفت ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہا یہ امر کہ حضرت بواسطہ تعلیم الٰہی بھی امور غیبیہ پر مطلع نہ ہوتے تھے تو اس آیت کے کسی لفظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بالکل واقع کے خلاف ہے کیونکہ بے شمار اخبار غیبیہ آنحضرت صلعم سے کتب احادیث میں مروی ہیں۔ اور اُن میں سے چند اخبار غیب ساتویں پارہ کے حواشی میں نقل

کردی گئی ہیں۔ اُن کے علاوہ حضرت کی غیب دانی پر وہ اخبار غیب بھی شاہد ہیں جن کو مختلف اوقات امیر المومنین علیہ السلام نے بیان فرمایا تھا۔ (اور نہج البلاغۃ وغیرہ کتب علمائے اسلام میں منقول ہیں) کیونکہ آپ اُن پر آنحضرتؐ ہی کی تعلیم سے مطلع ہوئے تھے۔ اور کبھی کبھی صاف لفظوں میں اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ چنانچہ جس وقت آپ نے قوم تتار کے اوصاف بیان فرمائے تو بعض اصحاب نے متحیر ہو کر یہ کہا کہ "آپ کو علم غیب حاصل ہے"۔ اس کلام پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا:-

یا اخا کلیب لیس هو بعلم غیب وانما هو تعلم من ذی علم وانما علم الغیب علم الساعة وما عدده الله بقوله ان الله عنده علم الساعة الایة۔ فیعلم سبحانه ما فی الارحام من ذکر او انثی وقبیح او جمیل وسخی او بخیل وشقی او سعید ومن یکون فی النار حطبا او فی الجنان للنبیین مرافقا فهذا علم الغیب الذی لا یعلمه احد الا الله وما سوی ذلک فعلم علمه الله نبیه فعلمنیه ودعا لی بان یعیه صدری وتضطم علیه جوانحی۔

(دیکھو نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر ص۱۳۲)

"اے کلیبی کے بھائی یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو صرف ایک علم والے سے تعلیم پانا ہے۔ علم غیب تو قیامت کا علم ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ کی آیت میں شمار کی ہوئی چیزوں کا علم ہے پس رحم کے اندر خدا ہی جانتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ خوبصورت ہے یا بدصورت سخی ہے یا بخیل۔ نافرمان ہے یا فرمانبردار۔ جہنم کا ایندھن ہوگا یا جنت میں انبیاءؑ کا رفیق ہوگا۔ پس وہ سب نبیؐ نے مجھکو تعلیم کیا اور مجھکو دعا دی ہے کہ وہ میرے سینے میں محفوظ رہے اور میری پسلیاں (جسم) اسکی حامل ہیں۔"

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے تمکو ایک شخص (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اس کی (بچی ہوئی مٹی سے) اس کا جوڑا بھی

بنا ڈالا تاکہ ساتھ رہے سہے۔ پھر جب انسان اپنی بی بی سے ہمبستری کرتا ہے تو بی بی ایک ہلکے سے حمل سے حاملہ ہو جاتی ہے۔ پھر اُسے لئے چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب وہ (زیادہ دن ہونے سے) بوجھل ہو جاتی ہے۔ تو دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے کہ "تو ہمیں تندرست فرزند عطا فرمائے۔ تو ہم ضرور تیرے شکرگذار ہوں گے پھر جب خدا نے ان کو (فرزند) صالح عطا فرما دیا۔ تو خدا نے انھیں عطا کیا تھا لگے اس میں خدا کا شریک بنانے تو خدا (کی شان) شرک سے بہت اونچی ہے۔"

اس آیت کی حقیقی تاویل جناب امام علیؑ رضا علیہ السلام نے مامون رشید کے سوال کے جواب میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

عن الرضا علیه السلام انه قال له المامون یا ابن رسول اللهؐ الیس من قولک الانبیاءؑ معصومین قال بلی قال فما معنی قول الله عز وجل فلما آتاهما صالحا جعلا له شرکاء فیما آتاهما فقال له الرضا علیه السلام ان حوا ولدت لآدم خمس مائة بطن فی کل بطن ذکرا وانثی وان آدم وحوا عاهدا الله تعالی ودعواه وقالا لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین فلما آتاهما من النسل خلقا سویا بریا من الزمانة والعاهة کان ما آتاهما صنفین صنفا ذکرانا وصنفا اناثا فجعل الصنفان لله سبحانه شرکاء فیما آتاهما ولم یشکراه کشکر ابویهما له عز وجل قال عز وجل فتعالی الله عما یشرکون

"امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ سے مامون نے کہا یا ابن رسول اللہؐ کیا آپکا یہ قول نہیں ہے کہ انبیا معصوم ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ اس نے کہا کہ خدا کے قول فلما آتاهما صالحا جعلا له شرکاء فیما آتاهما کے کیا معنی ہیں تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حوا کے آدمؑ سے پانچ سو حمل ہوئے۔ ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ اور آدم و حوا نے خدا سے عہد کیا اور دعا کی کہ اگر تو ہمکو تندرست اولاد دے گا تو ہم شکر گذاری کریں گے۔ پس جب ان کو صحیح و سالم نسل دی گئی جو عیوب سے پاک تھی تو اس کی دو قسمیں قرار پائیں۔ ایک قسم مردوں کی اور ایک قسم عورتوں کی۔ ان دونوں قسموں نے خدا سے جو نعمتیں پائی تھیں ان میں اوروں کو بھی خدا کا شریک بنا لیا۔ اور اپنے والدین کی طرح اس عزت اور بزرگی والے خدا کی شکرگزاری نہ کیا۔ اس سے خدا نے فرمایا کہ جن چیزوں کو لوگ شریک بناتے ہیں اللہ کی ذات اُن سے بلند ہے۔"

اس روایت سے چند باتیں ظاہر ہوئیں:-

(اول) "آتاھما صالحاً" سے مراد یہ ہے کہ جسمانی حیثیت سے تام الخلقت اور صحیح و تندرست اولاد عطا کی دینی اعتبار سے صالح ہونا مقصود نہیں ہے۔

(دوم) "جعلا" کی ضمیر اولاد آدمؑ کی طرف راجع ہے چونکہ اون کی دو صنفیں تھیں اس لئے ضمیر تثنیہ لائی گئی۔

(سوم) "فیما آتاھما" میں وہ نعمات عامہ مراد ہیں جو اولاد آدم میں ہر صنف کو خداوند عالم نے عطا فرمائیں اور محصل کلام یہ ہے کہ ہم نے جو نعمتیں اولاد آدم کو عطا کیں اون کو وہ اپنے فرضی معبودوں کی طرف منسوب کرنے لگے

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ

"کہدو تم اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو بلاؤ۔ پھر سب مل کر مجھ پر داؤں چلو پھر مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھو تو وہ میرا کیا بنا سکتے ہیں"۔

جب آنحضرت صلعم بتوں کی مذمت اور اون کی پرستش کی قباحت بیان فرماتے تو کفار کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کی برائیاں بیان کرنے سے باز رہو ورنہ اون کیطرف سے کوئی مصیبت تم پر آجائے گی۔ اس آیت میں کفار کے اسی کلام کا جواب دیا گیا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝

"(اے رسولؐ) تم درگذر اختیار کرو۔ اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو"

حدیث نبوی میں ہے، ثلث من لم تکن فیہ فلیس منی ولا من اللہ عز و جل حلم یرد بہ جھل الجاھل وحسن الخلق یعیش بہ فی الناس وورع یحجزہ عن معاصی اللہ۔

"تین باتیں جن میں نہ ہوں گی اس کا نہ مجھ سے کوئی ربط ہے نہ خدا سے ایسا حلم جو جاہلوں کی جہالت کو روک سکے۔ ایسا خلق ہو جس سے لوگوں میں زندگی بسر کر سکے۔ اور ایسی پرہیزگاری ہو جو معصیت خدا سے مانع ہو۔

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

"اور اگر شیطان کی طرف سے تمہاری (امت کے دل میں) کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو تم خدا سے پناہ مانگو۔ بیشک وہ بڑا سننے والا اور واقف کار ہے۔"

اگرچہ اس آیت میں خداوند عالم نے آنحضرت صلعم کو مخاطب قرار دیا ہے۔ مگر اصل مقصود دیگر مکلفین کی تادیب و تعلیم ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم نے متعدد آیات کی ذیل میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ ان میں خداوند عالم کی طرف سے بظاہر خطاب آنحضرتؐ سے کیا گیا ہے لیکن درحقیقت مقصود اس سے امت کی تعلیم و تنبیہ ہے پس اس آیت کے اسلوب کو بھی انھیں آیات پر قیاس کرنا چاہئے۔

نیز اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جن آیات میں آنحضرت صلعم کی طرف وسوسہ شیطانی یا وقوع ترک کی صورت میں حبط اعمال کی نسبت دی گئی۔ یا کسی خطا و معصیت کا صدور اور اوس کی معافی کا ذکر ہے۔ یا عتاب آمیز الفاظ میں خطاب کیا گیا ہے۔ وہ سب کی سب نہایت واضح طور سے یہ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن مجید کلام الہی ہے۔ آنحضرتؐ کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ جس شخص کا مطمع نظر یہ ہو کہ حیلہ سازی کے ذریعے عزت و وجاہت حاصل کرے اور اپنے تقدس و تقرب الی اللہ کا سکہ قلوب پر بٹھائے وہ دنیا کے سامنے ایسے کلمات پیش نہیں کر سکتا۔ جس سے اس کے مقصود کو صدمہ پہنچتا ہو۔

سورۂ انفال

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۝

"(اے رسولؐ) تم سے لوگ انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں تو تم کہدو کہ انفال مخصوص خدا اور رسولؐ خدا کے واسطے ہے تو خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو۔"

اس آیۂ مبارکہ کی بابت دو باتیں یہاں قابل تفصیل ہیں۔

(۱) "انفال" عرف میں مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ اور یہی اس آیۂ مبارکہ میں مراد ہے۔ اس کے علاوہ شرعاً کئی طرح کے اموال اور جائدادوں کو انفال قرار دیا گیا ہے اور وہ سب نبی و امام کا مخصوص حق ہیں۔ ان کی تفصیل کتب فقہیہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۲) اس آیت کے سبب نزول کی بابت مفسرین کے اقوال مختلف ہیں اور ان کی بنا روایات مختلفہ پر ہیں جن سے ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے جو اقوال معصومینؑ سے بہت کچھ مطابقت رکھتی ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال لما هزم الله العدو يوم بدر واتبعتهم طائفة يقتلونهم واحدقت طائفة برسول الله عليه السلام واستولت طائفة على العسكر والنهب فلما نفى الله العدو ورجع الذين طلبوهم وقالوا لنا النفل نحن طلبنا العدو وبنا نفاهم وهزمهم وقال الذين احدقوا برسول الله صلعم والله ما انتم باحق به منا نحن احدقنا برسول الله صلعم لا ينال العدو منه غرة فهو لنا وقال الذين استولوا على العسكر والنهب والله ما انتم باحق به منا نحن اخذناه واستولينا عليه فهو لنا فانزل الله تعالى يسألونك عن الانفال فقسمه رسول الله صلعم بالسوية — (اسباب النزول واحدی ص۱۵۳)

"عبادہ بن صامت سے مروی ہے اس نے کہا کہ جب جنگ بدر میں دشمن نے شکست کھائی اور ایک گروہ نے ان کو قتل کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا اور ایک گروہ نے رسول خدا کی حفاظت کی اور ایک گروہ لشکر اور سامان کی لوٹ میں مصروف ہوا غرضکہ جب خدا نے دشمن کو بھگا دیا تو ان کا پیچھا کرنے والوں نے کہا کہ لوٹ کا مال ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے دشمن کا اچھا تعاقب کیا اور خدا نے ہمارے ذریعے سے ان کو بھگایا۔ اور شکست دی اس وقت رسول خدا کی حفاظت کرنے والوں نے کہا کہ تم ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو ہم نے رسولؐ خدا کی حفاظت کی تاکہ دشمن آنحضرتؐ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکے یہ ہمارا حق ہے تو وہ لوگ جو لشکر اور اسباب پر غالب آئے تھے انھوں نے کہا کہ بخدا تم لوگ ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو ہم نے اس کو حاصل کیا ہے اور ہم اس پر غالب آئے ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارا حق ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یسئلونک عن الانفال نازل فرمایا تو اس کو رسولؐ خدا نے سب کو برابر برابر تقسیم فرمایا۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر کے مال غنیمت کے متعلق مجاہدین کے درمیان نزاع واقع ہو گئی۔ لہٰذا اس کو قطع کرنے کے لئے خداوند عالم نے فرمایا کہ مال غنیمت دراصل خدا اور رسولؐ کا حق ہوتا ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا مناسب سمجھیں عطا فرمائیں۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۵

"(یہ مال غنیمت کا جھگڑا ویسا ہی ہے) جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں بالکل ٹھیک (مصلحت سے) تمہارے گھر سے (جنگ بدر میں) نکالا تھا۔ اور مومنین کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا"

اس آیت کے متعلق چند امور کا درج کرنا ضروری ہے —

(۱) ہم اس کے قبل جہاد کی حکمت و مصلحت سے مفصل طور پر بحث کر آئے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ اگرچہ احقاق حق اور ابطال باطل کے وسائل میں سے ایک وسیلہ جہاد بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بانیٔ اسلام نے بحکم الٰہی اپنی شریعت کی اشاعت ...... کی بنیاد جبر و تشدد یا جہاد و قتال پر نہیں رکھی۔ بلکہ عفو و کرم، لطف و مدارات، حکمت، بالغہ و موعظہ حسنہ کو مدار تبلیغ و دعوت بنایا۔ اور کسی وقت میں بھی اس طریقہ کو نہیں چھوڑا۔ البتہ دین اور اس کے تابعین کی کمزور جماعت کو ان شوریدہ سر مفسدین کے شرور سے محفوظ رکھنا بھی نہایت ضروری فرض تھا۔ جن کی طبائع سے استعداد خیر بالکل زائل ہو چکی تھی اور جن کو رات دن یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ نہ صرف شجرۂ اسلام کی روز افزوں نشو و نما کو روک دیا جائے بلکہ جس طرح بن پڑے اس کی پوری بیخ کنی کر دی جائے اور اس کے لئے ابتدائے ظہور اسلام سے اس وقت تک کہ ابھی پورا غلبہ مسلمین کو حاصل نہیں ہوا تھا جو انفرادی و اجتماعی خفیہ و علانیہ کوششیں کفار قریش اور قبائل یہود کی طرف سے کی گئیں وہ کتب تواریخ و سیر کے پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔ لہٰذا شدید ترین احتیاج اس کی تھی کہ جہاد بالسیف کے ذریعے اسلام و مسلمین کا تحفظ کیا جائے اور وہ عناصر فنا کر دیئے جائیں جو اپنی فطری بے اعتدالی سے ان کی باامن و اطمینان ترقی میں مانع ہو رہے تھے۔ اس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا کہ کسی قوم کی بقا اور دینی و دنیوی ترقی کے لئے فتنہ انگیز ہستیوں کو مغلوب یا فنا کر دینا اتنا ہی ضروری ہے جتنا حفظ صحت و اعتدال مزاج کے لئے اخلاط فاسدہ و مواد ردیہ کو دفع کر دینا۔

اس امر کا ثبوت کہ غزوات رسولؐ سے محض دفع شر مقصود تھا نہ کہ بجور و تعدی اتباع ملت اسلام پر مجبور کرنا۔ ان آیات و احادیث نبویؐ سے مل سکتا ہے جو سورۂ آل عمران کے حواشی میں نقل کی جا چکی ہیں۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں غزوہ بدر کے جو کچھ واقعات مندرج ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قافلہ کفار قریش کا جس کے سردار ابو سفیان وغیرہ تھے شام سے مال تجارت لئے جا رہا تھا۔ یہ خبر آنحضرت صلعم کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی اور خداوند کریم کی طرف سے حکم جہاد دیا گیا تو آپ نے اپنے اصحاب کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ادھر ابو سفیان کے جاسوس نے اس کی خبر پہونچا دی اور اس نے خائف ہو کر ایک شخص کو جس کا نام ضمضم بن عمرو الغفاری تھا۔ بہ تعجیل مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ قافلہ پر حملہ کئے جانے کی خبر قریش کو پہونچا دے۔ جب یہ خبر مکہ میں پہونچی تو ایک ہل چل پڑ گئی۔ ہر شخص قریش کا جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک بڑا لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ ادھر ابو سفیان نے چالاکی سے مشہور راستہ چھوڑ دیا۔ اور کسی دوسری راہ سے مکہ کو چلدیا۔ اور جب یہ دیکھا کہ اب اس کے قافلہ کو مسلمانوں کے حملہ کا کوئی ڈر

باقی نہیں رہا تو ایک قاصد کی زبانی قریش کے لشکر کو یہ پیام بھیجا کہ تم لوگ اپنے جس قافلہ کی مدد کے لئے نکلے ہو وہ بخیریت خطرہ کے مقام سے نکل آیا - لہذا اب واپس آجاؤ - لیکن ابوجہل نے یہ رائے دی کہ واپس نہ ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہے کہ ہم مقام بدر میں پہنچکر تین دن عیش و عشرت میں بسر کریں، تاکہ ہماری شوکت و حشمت کی دھاک تمام عرب پر بیٹھ جائے اس رائے سے سب نے اتفاق کیا - اور وہ لوگ مقام بدر پر پہونچے - ادھر مسلمانوں کو جو قافلہ تجارت کی تلاش میں آرہے تھے - قریش کی جمعیت اور ساز و سامان کی کثرت کی خبر معلوم ہوئی تو بہت گھبرائے - کیونکہ اون کی تعداد بہت کم تھی - اون کے اضطراب کو دیکھکر آنحضرت صلعم نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے اور غرض اس مشورہ کی یہ تھی کہ لوگوں کے ارادے اور قلبی کیفیات ظاہر ہو جائیں - چنانچہ حضرات ابوبکر و عمر وغیرہما نے یہی رائے دی کہ قریش سے جنگ کرنا مناسب نہیں کیونکہ قریش کی شوکت و قوت بہت زیادہ ہے - لیکن مقداد اور سعد بن معاذ نے پختہ ارادے کے ساتھ یہ عرض کی کہ ہم فقط آپکے تابع فرمان ہیں - اگر دریا میں کود پڑنے کا بھی حکم ہو تو بے تامل اس کی تعمیل کریں گے - حضرت اون کے اس کلام سے مسرور ہوئے - اور فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قریش کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت سے ہماری مڈبھیڑ ضرور ہوگی - اور ہم غالب آئیں گے - چنانچہ میں وہ جگہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جہاں کفار قریش کی لاشیں خاک و خون میں لوٹتی ہوں گی - یہ فرماکر آپ نے روانہ ہو جانے کا حکم دیا - یہانتک کہ مقام بدر پر پہونچے اور دونوں لشکر صف آرا ہو گئے - اور فرشتوں کا لشکر بھی اہل اسلام کی مدد کے لئے آپہونچا - نتیجہ یہ نکلا کہ کفار کو شکست فاش ہوئی اور قریش کے اکثر سردار لڑائی میں کام آئے - منجملہ اون کے ابوجہل بھی تھا - ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے

وقد عرفت ان اعظم غزاة غزاها رسول الله صلعم واشدها نكاية في المشركين بدر الكبرى قتل فيها سبعون من المشركين قتل علي عليه السلام نصفهم وقتل المسلمون والملائكة النصف الآخر واذا رجعت الى مغازي محمد بن عمر الواقدي وتاريخ الاشراف ليحيى بن جابر البلاذري وغيرهما علمت صحة ذلك - یعنی تم نے جان لیا کہ غزوات رسول میں سب سے بڑی - اور مشرکین کی تباہی کے لحاظ سے شدید ترین جنگ بدر کی تھی - اس میں مشرکین کے ستر آدمی کام آئے جن میں نصف کو تنہا علی بن ابیطالب علیہ السلام نے قتل کیا تھا - اور باقی نصف کے قتل میں اہل اسلام اور ملائکہ شریک تھے - اور جب تم محمد بن عمر الواقدی کی کتاب مغازی اور یحیی بن جابر البلاذری کی تاریخ الاشراف اور دیگر کتب تواریخ کی طرف رجوع کروگے تو اس بیان کی صحت تم کو معلوم ہو جائے گی - (دیکھو شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸)

(۳) ہجرت سے قبل مکہ میں خداوند عالم نے یہ آیت ام يقولون نحن جميع منتصر سيهزم الجمع ويولون الدبر

نازل فرماکر کفار قریش کو جنگ بدر کی ہزیمت کی خبر دی تھی جو برسوں کے بعد واقع ہوئی - لہذا یہ پیشین گوئی اور اوس کا بالکل مطابق واقع ثابت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کسی عالم الغیب کا کلام ہے - اور ظاہر ہے کہ انسانی علم حوادث مستقبلہ و امور غیبیہ پر محیط نہیں ہو سکتا -

اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۵

"یہ وہ وقت تھا جب خدا اپنی طرف سے اطمینان دینے کے لئے تم پر نیند کو غالب کر رہا تھا - اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا - تاکہ اس سے تمہیں پاک و پاکیزہ کردے اور تم سے شیطان کی گندگی دفع کردے اور تمہارے دل کو مضبوط کردے اور تمہارے قدم (اچھی طرح) جمائے رہے"

کفار قریش نے پہلے ہی سے پہنچکر تالاب کے کنارے خیمے ڈالدیئے تھے - اس لئے مسلمانوں کو ایسے میدان میں ٹھہرنا پڑا جہاں ریت بہت گہری تھی - اور چلنے میں پاؤں دھنس جاتے تھے اوس پر پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاس کی شدت بھی ہوئی - غرض تمام اسباب خوف و تردد کے اجتماع نے اون کو نہایت پریشان خاطر کردیا اس وقت خدا نے رفع تردد و خوف کے لئے اون پر نیند کو مسلط کردیا - اور سب کے سب آرام و چین سے سو گئے - اس سے اتنا تو ہوا کہ سفر کا تعب اور دشمن کا خوف اور پیاس کی شدت زائل ہوگئی - مگر دوسری مصیبت شیطانی یہ پیش آئی کہ اکثر لوگ محتلم ہوگئے جس سے سخت تردد کا سامنا ہوا کہ طہارت کے ساتھ نماز کیونکر ادا کی جائے - ان تمام مصائب کے اجتماع کے وقت میں شیطان کو یہ وسوسہ دلانے کا کافی موقع تھا کہ جب تم اتنی مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آخر خدا کا وعدۂ نصرت کیا ہوا - اور تمہارا یہ خیال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ تم خدا کے ولی اور محمدؐ اس کے رسولؐ ہیں؟ ابھی یہ خیالات پریشان دماغوں میں گردش کر رہے تھے کہ اتنے میں ابر اٹھا اور اتنا پانی برسا کہ مسلمانوں کی تمام ضرورتوں کو کافی ہوگیا - اور ریت بھی جم گئی - برخلاف اس کے کفار جس مقام پر خیمہ زن تھے، وہاں ریت نہ تھی اس لئے پانی برسنے سے زمین کیچڑ بن گئی - اور ان کو چلنے میں سخت دشواری پیش آئی -

نیند کا انسان پر غلبہ ہو جانا ایک معمولی بات ہے لیکن ایسے سخت تردد و خوف کی حالت میں ساری جماعت پر ایک دفعہ نیند کا غالب ہو جانا یقیناً خارق عادت امر ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس کا وقوع خداوند عالم کے مخصوص ارادے سے ہوا تھا نہ کہ محض اقتضائے طبیعت سے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

"اور (مسلمانو) ان کفار کو کچھ تم نے تو قتل کیا نہیں۔ بلکہ ان کو تو خود خدا نے قتل کیا اور (اے رسولؐ) جب تم نے تیر مارا تو کچھ تم نے نہیں مارا بلکہ خدا نے تیر مارا۔"

(۱) جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد مسلمان باہم مفاخرت کرنے لگے اور ان کے درمیان ایک صورت اختلاف ظاہر ہو گئی۔ ہر ایک دعویٰ کرتا کہ فلاں کافر کو میں نے قتل کیا ہے اور دوسرا شخص اس کی تکذیب کر کے مدعی ہوتا کہ اس کافر کا قاتل میں ہوں۔ اس بے محل جھگڑے کو قطع کرنے کے لئے خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور قتل کفار کو در حقیقت اپنا فعل ٹھہرایا۔ اس لئے کہ موت کا سبب حقیقی اسی کا حکم ہوتا ہے۔ اور شمشیر زنی یا دیگر امور محض ظاہری اسباب ہیں۔

(۲) آنحضرت صلعم نے مٹھی میں سنگریزے لیکر "شاہت الوجوہ" (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کفار کی جانب پھینکے تھے، اور وہ ان کی آنکھوں میں پڑ کر بدحواسی کے ساتھ بھاگ جانے کا سبب ہوئے۔ خداوند عالم نے "ما رمیت اذ رمیت" فرما کر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ

"اگر تم یہ چاہتے تھے کہ (جو حق پر ہو اس کی) فتح ہو تو (مسلمانوں کی) فتح بھی تمہارے سامنے آموجود ہوئی۔ (اب کیا عذر باقی ہے۔ اور اگر تم (اب بھی مخالفت اسلام سے) باز رہو تو تمہارے واسطے بہتر ہے۔ اور اگر تم کہیں پلٹ پڑے تو (یاد رہے) ہم بھی پلٹ پڑینگے۔"

اس آیت میں خطاب کفار قریش سے کیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ جب وہ لوگ مکہ سے روانہ ہونے لگے تو ابوجہل نے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کے کہا کہ اے خدا! ہمارا دین قدیم اور محمدؐ کا دین جدید ہے۔ پس ان دونوں میں سے تیرے

نزدیک جو زیادہ محبوب و پسندیدہ دین ہو اور دونوں جماعتوں میں جو جماعت راہ راست پر ہو اس کی مدد کرنا اور دوسرے کو تباہ و برباد کر دینا اور یہ دعا اس اعتقاد کے ساتھ کی گئی تھی۔ کہ قریش ہی کا دین خدا کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہے اور وہی لوگ راہ راست پر چلنے والے ہیں پس خداوند عالم نے برسبیل تحکم و استہزاء ان سے فرمایا کہ تم اپنے لئے فتح کے متمنی تھے تو وہ تمہارے سامنے آچکی اور اس کا ذائقہ تم خوب چکھ چکے لہٰذا اب بھی اگر کفر سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے خیر ہے اور اگر کہیں دوبارہ تم نے ایسی ہی شورش برپا کی تو پھر ہم تمہاری ویسی ہی سرکوبی کریں گے جیسی کر چکے ہیں۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

"اے ایماندارو جب تم کو (ہمارا) رسول (محمدؐ) ایسے کام کیلئے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو تم خدا و رسول کا حکم دل سے قبول کرلو۔"

حیات جاوید دینے والے کام سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے اور چونکہ لوگ جہاد کو موت کا باعث سمجھتے تھے اور یہی خیال کمزوریوں میں ثبات و استقلال پیدا نہ ہونے دیتا تھا۔ اس لئے خداوند عالم نے یہ ظاہر فرمایا کہ تم جس کو موت کا سبب سمجھتے ہو در حقیقت وہ حیات جاوید کا باعث ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ

"اور جان لو کہ خدا (وہ قادر مطلق ہے کہ) آدمی اور اس کے دل (ارادے) کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی (سمجھ لو) کہ تم سب کے سب اس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔"

اہل جبر کی غلط تفسیر | جو لوگ افعال عباد کا خالق پروردگار عالم کو بتلاتے ہیں اور بندوں کو ہر نیک و بد میں مجبور محض جانتے ہیں انھوں نے اس کلام الٰہی کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قلوب عباد خدا کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے اور جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ وہی قلوب کفار اور طاعات و عبادات کے درمیان آجاتا ہے جس سے وہ کسی عبادت و طاعت کے بجالانے پر قادر نہیں ہو سکتے اسی طرح مومنین کے دلوں کو معصیت سے منحرف اور خیر و صلاح کی طرف

مائل کر دیتا ہے جس سے اعمال صالحہ کے سوا کوئی برا کام ان سے واقع نہیں ہو سکتا۔ بالجملہ سعادت و شقاوت ہدایت و ضلالت مشیت ایزدی کے تابع ہیں ــ اور بشری اختیار سے بالکل خارج ــ

اگر حقیقت امر یہی ہو اور آیۂ مبارکہ اسی خیال کی موید ہو تو ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کو پروردگار عالم نے اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ رسولؐ کی حجت کفار پر تمام کی جائے بلکہ اس کے نازل کرنے کا مقصود یہ ہے کہ کفار کی زبردست حجت رسولؐ پر تمام ہو جائے۔ اہل جبر کے بیان کئے ہوئے مطلب کی بنا پر کفار جب چاہتے رسول خدا صلعم کو یہ کہکر خاموش کر سکتے تھے کہ جب خدا ہی نے ہمارے قلوب کو ایمان سے منحرف کر دیا ہے اور وہی طاعت و عبادات سے مانع ہے تو پھر ان کا حکم ہمکو دینا کیسا؟ اور دنیا و آخرت کے عذاب کی دھمکی کیسی؟ اگر یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے ــ؟

آیت کی صحیح تفسیر

پس معنی مذکور کا مراد ہونا کسی طرح مقتضائے عقل نہیں ہو سکتا۔ درآنحالیکہ دوسرے معنی کا احتمال بھی موجود ہے جس سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ

انسان اپنے قلب اور دیگر اعضاء و جوارح سے اسی وقت تک منتفع ہو سکتا ہے اور ان کو صرف طاعت و عبادت کر کے کسب سعادت کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی حیات باقی ہے۔ موت کے آجانے کے بعد اس کے جملہ اعضاء و جوارح معطل و بیکار ہو جاتے ہیں پھر بھی نفع حاصل کرنے کی قدرت باقی نہیں رہ جاتی۔ خداوند عالم نے "واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ" فرماکر اسی امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور محصل اس کا یہ ہے کہ "ایمان والو! تم خدا اور رسولؐ کے احکام قبول کر لو۔ اور اس عمل خیر کی طرف سبقت کرو۔ جو تمہاری ابدی زندگی کا سبب ہے اگر تم نے جلد ایسا نہ کیا تو جان لو کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جس میں خدائے تعالیٰ تمہارے اور تمہارے قلب کے درمیان موت کے ساتھ حائل ہو جائے گا اور تم اس سے کسی طرح منتفع نہ ہو سکو گے۔ اس تنبیہ میں قلب کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ وہ رئیس بدن ہے اور دیگر اعضاء اس کے تابع ہیں ــ

اس مطلب کی تائید کے لئے متعدد وجوہ موجود ہیں :ــ

(اول) یہ کہ ابتدائے آیت میں "اذا دعاکم لما یحییکم" فرماکر ابدی زندگی کا ذکر کیا ہے۔ پس اگر بعد کے فقرہ میں موت مراد ہوگی۔ تو دونوں فقروں میں پوری مناسبت اور کامل ارتباط پیدا ہو جائے گا ــ اور محصل یہ ہوگا کہ "جب خدا اور رسولؐ تم کو ایسے عمل کی طرف دعوت دیں جو تمہاری حیات ابدی کا باعث ہو سکتا ہے تو تم قبول کر لو اور اگر ایسا نہ کیا تو جان لو کہ ایک دن خداوند عالم تمہارے دلوں پر موت کو مسلط کر دیگا اور تم ابدی حیات سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لئے مردہ ہو جاؤ گے۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو دونوں فقروں کے درمیان کوئی وجہ ارتباط باقی نہ رہے گی۔ بلکہ دونوں کے مفہوم ایک دوسرے کے بالکل مخالف نظر آئیں گے۔ کیونکہ کوئی حکم دینے کے بعد یہ کہنا کہ اس کی تعمیل تمہارے اختیار و اقتدار سے باہر ہے منشاء حکم کے بالکل خلاف ہوگا۔ اور مکلفین کے لئے ترک تعمیل و عدم امتثال پر ایک قوی حجت موجود ہو جائے گی ــ جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا ــ

(دوم) یہ کہ آخر آیت میں فرمایا ہے "وانہ الیہ تحشرون" یعنی یہ بھی جان لو کہ ایکدن تمہارا حشر ہماری طرف ہوگا۔ اور تم ہمارے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔ اس لئے مناسب مقام و سیاق کلام کا مقتضا یہی ہے کہ اس کلام سے پہلے موت کا ذکر ہو۔ ورنہ ان دونوں فقروں میں جو لفظاً بذریعہ حرف عطف ایک دوسرے سے مرتبط کئے گئے ہیں معنی کے اعتبار سے کوئی تناسب وارتباط نہ ہوگا۔ جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔

(سوم) ــ قرآن مجید میں ایک دوسری آیت بھی موجود ہے جس میں اس مطلب کو توضیح کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور وہ یہ ہے :ــ

"استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد لہ من اللہ مالکم من ملجاء یومئذ و مالکم من نکیر" "اپنے رب کے حکم پر لبیک کہو اس دن سے پیشتر جو خدا کی طرف سے آئے گا۔ جس سے کوئی چھٹکارا نہیں نہ کوئی جائے پناہ ہوگی۔ نہ تمہارے لئے انکار کا موقع ــ

پس احتمال قوی یہی ہے کہ آیۂ زیر بحث اور یہ آیت دونوں تقریباً متفق المعنی ہیں جس بات کو ایک جگہ اجمالاً بیان کیا ہے اوسیکی دوسری جگہ تفصیل کر دی ہے اور قرآن مجید میں اس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" یعنی قرآن کی ایک آیت دوسری کی تفسیر کر دیتی ہے ــ

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

"اور اس فتنے سے ڈرتے رہو جو خاص انھیں لوگوں پر نہیں پڑے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا۔ (بلکہ تم سب کے سب اس میں پڑ جاؤ گے) اور یقین جانو کہ خدا بڑا سخت عذاب کرنے والا ہے"

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :ــ

mahblib.org

عن الحسن نزلت فی علیؑ و عمار و طلحة والزبیر وھو یوم الجمل خاصة قال الزبیر نزلت فینا و قرأناھا زمانا وما ظننا انا اھلھا فاذا نحن المعنیون بھا۔ وعن السدی نزلت فی اھل بدر واقتتلوا یوم الجمل وروی ان الزبیر کان یسامر النبی صلعم یوما اذ اقبل علیؑ فضحک الیہ الزبیر فقال رسول اللہ کیف حبک لعلی فقال یا رسول اللہ احب کحبی لولدی او اشد فقال کیف انت اذا سرت الیہ تقاتلہ

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۴۵)

"حسن سے مروی ہے کہ یہ (آیت) علیؑ و عمار اور طلحہ و زبیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جنگ جمل سے مخصوص ہے زبیر نے کہا کہ یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ہم ایک مدت تک اس کی قرآت کرتے رہے اور ہمیں یہ گمان بھی نہ ہوا کہ ہم اس کے اہل ہیں۔ پس اب تو ہم ہی اس سے مراد لئے گئے ہیں۔

اور سدّی سے مروی ہے کہ اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ بدر میں لڑے ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک روز زبیر نبی صلعم سے باتیں کر رہے تھے کہ علی علیہ السلام سامنے سے آئے ان کو دیکھکر زبیر مسکرائے۔ رسولخداؐ نے پوچھا تیری محبت علیؑ سے کیسی ہے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہؐ میں ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ دوست رکھتا ہوں تو آپنے فرمایا کہ جب تم ان سے قتال کے لئے نکلوگے اسوقت تمہارا کیا حال ہوگا۔"

نیز تفسیر در منثور میں علامہ سیوطی نے یہ روایت درج کی ہے۔ (دیکھو در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۷۷)

(۱) اخرج احمد والبزار وابن المنذر وابن مردویہ و ابن عساکر عن مطرف قال قلنا للزبیر یا ابا عبد اللہ ضیعتم الخلیفة حتی قتل ثم جئتم تطلبون بدمہ فقال الزبیرؓ انا قرأناھا علی عہد رسول اللہ صلعم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة ولم نکن نحسب انا اھلھا حتی وقعت فینا حیث وقعت۔

"احمد اور بزار اور ابن منذر اور ابن مردویہ اور ابن عساکر نے مطرف سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے زبیر سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ تم نے خلیفہ کو ضائع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ قتل ہوگیا۔ اب تم اس کے قصاص کے طالب ہو تو زبیر نے کہا کہ ہم نے رسولخدا صلعم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں پڑھا واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة۔ اور ہمیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم اس کے اہل ہیں یہانتک کہ ہمارے بارے میں یہ آیت بالکل ٹھیک اتری۔"

(۲) اخرج ابن ابی حاتم عن الحسن رضؓ فی قولہ تعالیٰ واتقوا

قول باری تعالیٰ واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا

............منکم خاصة قال البلاء والامر الذی ھو کائن۔

(۳) واخرج عبد بن حمید وابو الشیخ عن قتادة رضؓ فی الآیة قال علم ذوو الالباب من اصحاب محمد صلعم حین نزلت ھذہ الآیة انہ سیکون فتن۔

منکم خاصة کے بارے میں حسنؓ سے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ آزمائش اور ہونے والی بات مراد ہے۔"

"اور آیت مذکورہ کے بارے میں عبد بن حمید اور ابو الشیخ نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب محمد صلعم میں سے صاحبان عقل جان گئے کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے۔"

(۴) واخرج ابن ابی شیبة وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ عن السدی فی قولہ واتقوا فتنة الآیة قال اخبرت انھم اصحاب الجمل۔

"قول خدا واتقوا فتنة الآیہ کے بارے میں ابن ابی شیبہ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے سدی سے نقل کیا ہے اس نے کہا کہ مجھکو خبر دی گئی ہے کہ وہ اصحاب جمل ہیں۔"

(۵) واخرج عبد بن حمید عن الضحاک قال نزلت فی اصحاب محمد صلعم خاصة۔

"عبد بن حمید نے ضحاک سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ آیت اصحاب محمد صلعم کے بارے میں خصوصیت سے نازل ہوئی ہے"

ان کے علاوہ اور روایات بھی علامہ ممدوح نے اسی تفسیر میں درج کی ہیں۔ جو انھیں مضامین پر مشتمل ہیں۔ لہذا ہم ان کو بخوف طول نظر انداز کر کے صرف ان نتائج کے درج کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں جو ان سب سے حاصل ہوتے ہیں:۔

(۱) اس آیت میں جنگ جمل کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اور بالخصوص اصحاب رسولؐ کو اس سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کا نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود زبیر کو بھی اقرار تھا۔ جو اس جنگ کے باعث ہوئے تھے، اور تمام با فہم اصحاب رسولؐ نے تو نزول آیت ہی کے وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ عنقریب کوئی فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ پس جو لوگ اپنی کوتہ نظری سے قرآن کو کلام الہی تصور نہیں کرتے ان کو اس آیت پر غور کرنا چاہئے۔ جس سے مدتوں بعد حادث ہونے والے واقعے کی خبر اصحاب رسول کو دی تھی اور سمجھنا چاہئے کہ کیا ایسی سچی اور صحیح خبر غیب سنانا بغیر وحی و الہام کسی معمولی انسان کے لئے ممکن ہو سکتا ہے؟

(۲) خداوند عالم نے جنگ جمل کو فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفسیر "بلا" سے کی گئی ہے اور اس کے برپا کرنیوالوں کو ظالم ٹھہرایا ہے۔ نیز اس کے اثر کی بابت فرمایا ہے کہ صرف انھیں تک محدود و مخصوص نہ رہے گا۔ جو اسکے اصلی باعث اور

بانی ہوں گے بلکہ بالعموم سب پر پڑے گا غرض جتنے اسباب انسانی طبائع میں خوف کا اثر پیدا کر سکتے ہیں اُن سب کو واضح کر دینے کے بعد اصحاب رسولؐ کو تنبیہ کی تھی کہ وہ کبھی اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ لہذا جتنے حضرات اوس کے باعث یا شریک تھے اون کا انجام اس آیت سے نہایت مایوس کن ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) امام رازی کی نقل کی ہوئی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے خود زبیر سے مخاطب ہوکر یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم علیؑ بن ابیطالبؑ کے ساتھ جس محبت شدیدہ کے مدعی ہو وہ آئندہ باقی نہ رہے گی۔ اور ایک دن وہ بھی آنے لگا کہ تم اون سے جنگ کرنے کے لئے نکلو گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کو واقعہ جنگ جمل پر محض اجمالی اطلاع نہ تھی بلکہ بالتفصیل واقف تھے، کہ کون کون اس کا بانی ہوگا۔ لہذا آپ کے عالم امور غیبیہ ہونے کا ثبوت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ اگر فہم قاصر نہ ہو تو یہی ایک خبر غیب قرآن اور اس کے مبلغ کی حقیقت ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

"اے ایمان دارو نہ تو خدا اور رسولؐ کی (امانت میں) خیانت کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ حالانکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو۔"

اس آیت میں خداوند عالم نے اہل ایمان کو دو حکم دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کریں اور اس سے مراد معصیت و نافرمانی ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کریں۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ

"اے ایمان دارو اگر تم خدا سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہارے واسطے امتیاز پیدا کر دے گا اور تمہاری طرف سے تمہارے گناہ کا کفارہ قرار دے گا۔ اور تمہیں بخش دے گا۔"

"فرقان" سے مراد علم وہدایت ہے اور محصل کلام یہ ہے کہ اگر تم تقویٰ کروگے تو خدا تمہارے دلوں میں وہ ہدایت اور نور عطا کرے گا۔ جس سے حق و باطل میں اچھی طرح فرق کر سکو گے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہدایت کے درجات مختلف و غیر محدود ہیں۔ پس اگر تقویٰ کے صلہ میں توفیقات الٰہی شامل حال ہوں اور انسان اون درجات پر

ترقی کرتا رہے تو کسی طرح محل تعجب و استبعاد نہیں ہو سکتا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ

"حالانکہ جب تک تم ان کے درمیان موجود ہو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا۔ اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ لوگ تو اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہیں اور خدا ان سب پر عذاب نازل فرمائے"

علامہ ابن حجر مکی نے کتاب صواعق محرقہ میں فرمایا ہے (دیکھو صفحہ ۹۱ مطبوعہ مصر)

الآیۃ السابعۃ قولہ تعالیٰ وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم اشار صلعم الی وجود ھذا المعنی فی اھل بیتہ وانھم امان لاھل الارض کما کان ھو صلعم امان لھم

"ساتویں آیت قول باری تعالیٰ وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم۔ رسولخدا صلعم نے اس معنی کے اپنے اہلبیت میں موجود ہونے کا اشارہ کیا ہے یعنی اہلبیت اہل ارض کے لئے امان ہیں جس طرح آنحضرتؐ ان کے لئے امان ہیں"

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِیَةً

"اور خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی۔"

قریش خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہوکر اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے کرتے اور اسی کو عبادت تصور کرتے تھے۔

جزء نہم تمام شد

maablib.org

الجزء العاشر (پارہ دہم)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

"اور سمجھ لو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ مخصوص خدا و رسولؐ اور اس کے قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے اگر تم خدا پر اور اُس (غیبی امداد) پر ایمان لا چکے ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے (محمدؐ) پر فیصلے کے دن (جنگ بدر میں) نازل کی تھی جس دن مسلمانوں اور کافروں کی دونوں جماعتیں باہم گتھ گئی تھیں۔ اور خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

خمس کے مستحقین اور اس کی تقسیم کے متعلق اہل اسلام کے فرقے مختلف اقوال رکھتے ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے۔

قول اہل التشیع علمائے شیعہ امامیہ کا قول صاحب تفسیر مجمع البیان نے اس عبارت میں واضح فرمایا ہے:۔

ان الخمس تقسم علی ستة اسہم فسہم للّٰہ و سہم للرسول و هذان السہمان مع سہم ذوی القربیٰ للامام القائم مقام الرسولؐ و سہم لیتامی آل محمدؐ و سہم لمساکینہم و سہم لابناء سبیلہم لا یشرکہم فی ذلک غیرہم لان اللّٰہ سبحانہ حرّم علیہم الصدقات لکونہا اوساخ

"خمس چھ حصوں پر تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ خدا کا اور ایک حصہ رسولؐ کا۔ یہ دونوں حصے اور ذوی القربیٰ کا حصہ رسولؐ کے قائم مقام امام کا ہے۔ اور ایک حصہ آل محمدؐ کے یتیموں کا اور ایک حصہ ان کے مسکینوں اور ایک حصہ ان کے مسافروں کا ہے اس میں آل محمدؐ کے علاوہ کوئی ان کا شریک نہ ہوگا۔ کیونکہ

وعوضہم من ذلک الخمس و روی ذالک الطبری عن علی بن الحسین زین العابدین و محمد بن علی الباقر علیہم السلام

صدقات کو اوساخ (مال کا میل) ہونے کی وجہ سے ان کو خدا نے پاک آل محمدؐ پر حرام کر دیا ہے۔ اور اس کے بدلہ میں ان کو خمس دیا ہے۔ اس کو طبری نے علی ابن الحسین زین العابدین اور محمد بن علی الباقر علیہم السلام سے روایت کیا ہے۔"

اس کے قریب قریب ابو العالیہ کا قول بھی ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:۔

والقول الثانی وهو قول ابی العالیة ان خمس الغنیمة یقسم علی ستة اقسام فواحد منها للّٰہ و واحد لرسول اللّٰہ والثالث لذوی القربیٰ والثلاثة الباقیة للیتامی والمساکین وابن السبیل۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۳۶)

"اور دوسرا قول ابو العالیہ کا قول ہے کہ غنیمت کا خمس چھ حصوں پر تقسیم ہوگا۔ ان میں سے ایک حصہ اللہ کا اور ایک حصہ رسول اللہ کا اور تیسرا حصہ ذوی القربیٰ کا اور باقی تین حصے یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے ہیں۔"

خلیفۂ رسولؐ کو تین حصوں کا استحقاق جس وجہ سے حاصل ہوا وہ تفسیر صافی کی اس عبارت سے واضح ہوتی ہے:

وانما صارت للامام وحدہ من الخمس ثلثة اسہم لان اللّٰہ تعالیٰ قد الزمہ بما الزم النبیؐ من تربیة الایتام ومؤن المسلمین وقضاء دیونہم وحملہم فی الحج والجہاد۔

"اور تنہا امامؑ کے لئے خمس میں سے تین حصے اس لئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے یتیموں کی پرورش اور مسلمانوں کی حاجت روائی اور ان کے قرضوں کی ادائیگی اور ان کے حج اور جہاد کی سواریاں جو نبیؐ پر لازم کی تھیں وہ امامؑ پر بھی لازم کی ہیں۔"

قول اہلسنت امام شافعی و ابو حنیفہ و مالک کے اقوال فخر الدین رازی نے اس عبارت میں نقل کئے ہیں اور جس دلیل سے امام شافعی کے قول کو صحیح ثابت کیا ہے وہ قابل غور ہے۔

واما بعد وفاة الرسول صلعم فعند الشافعی رحمہ اللّٰہ انہ یقسم علی خمسة اسہم سہم لرسول اللّٰہ یصرف الی ما کان یصرفہ الیہ من مصالح المسلمین کعدة الغزاة من الکراع والسلاح و سہم لذوی القربیٰ من اغنیاہم وفقراہم یقسم بینہم للذکر مثل حظ الانثیین والباقی للفرق الثلاثة وہم الیتامی والمساکین وابن السبیل۔

"لیکن بعد وفات رسول صلعم۔ پس شافعی رح کے نزدیک وہ (خمس) پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا ایک حصہ رسول خداؐ کا ہے، جو مسلمانوں کی بہبودی میں صرف کیا جائے گا جس میں اس کو رسول اللہ صرف کیا کرتے تھے۔ جیسے لشکریوں کے لئے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کرنا۔ اور ایک حصہ ذوی القربیٰ کے اغنیا و فقرا کا ہے جو ان میں للذکر مثل حظ الانثیین (ایک مرد کو دو

عورتوں کے برابر) کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور باقی تین گروہوں یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔"

وقال ابوحنیفة رحمه الله ان بعد وفاة الرسول علیه الصلوٰة والسلام سهمه ساقط بسبب موته وكذلك سهم ذوی القربی وانما یعطون لفقرهم فهم اسوة سائر الفقراء ولا یعطی اغنیاؤهم فیقسم علی الیتامی والمساکین وابن السبیل وقال مالك الامر فی الخمس مفوض الی رأی الامام ان رأی قسمته علی هؤلاء فعل وان رأی اعطاء بعضهم دون بعض فله ذلك

"اور ابو حنیفہ رح نے کہا ہے کہ رسول صلعم کی وفات کے بعد ان کی موت کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط ہے اور اسی طرح ذوی القربیٰ کا حصہ بھی ساقط ہے اور ان کو ان کی محتاجی کی وجہ سے عطا کیا جائے گا۔ پس وہ تمام فقراء کے مساوی ہیں اور ان کے اغنیا کو نہ دیا جائے گا۔ پس یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور مالک نے کہا ہے کہ خمس کا معاملہ امام کے اختیار میں ہے وہ چاہے ان مذکورہ لوگوں پر تقسیم کر دے اور چاہے تو ان میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اسکو اس کا اختیار ہے۔"

واعلم ان ظاهر الآیة مطابق الشافعی رحمه الله وصریح فیه فلا یجوز العدول عنه الا لدلیل منفصل اقوی منها وکیف وقد قال فی آخر الآیة ان کنتم آمنتم بالله یعنی ان کنتم آمنتم بالله فاحکموا بهذه القسمة وهو یدل علی انه متی لم یحصل الحکم بهذه القسمة لم یحصل الایمان بالله۔

"جاننا چاہیئے کہ ظاہر آیت شافعی رح کے مطابق ہے اور اسی بارے میں بالکل صریح ہے۔ پس اس سے عدول کرنا بغیر اس سے ...... قوی دلیل کے جائز نہیں ہے اور کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ آخر آیت میں فرما دیا ہے ان کنتم آمنتم باللہ یعنی اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس تقسیم کے مطابق حکم کرو اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب اس تقسیم کے مطابق حکم حاصل نہ ہوگا تو اللہ پر ایمان بھی حاصل نہ ہوگا۔"

اس کلام کا محصل یہ ہے کہ آیت صریح لفظوں میں مستحقین خمس کی تعیین کرتی ہے جن میں ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں لہذا جب تک اس کلام الٰہی سے زیادہ قوی دلیل نہ مل جائے اس تقسیم میں خلل اندازی کرنا اور کسی مستحق کے حق کو ساقط کر دینا جائز نہیں ہو سکتا۔ نیز خداوند عالم نے محض مستحقین کے حصوں کی تصریح کرنے پر اکتفا نہیں فرمائی ہے بلکہ آخر آیت میں یہ واضح فرما دیا ہے۔ کہ مومن باللہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسی کی تصریح کے مطابق تقسیم

خمس کی جائے اور ہر ایک کا حق پورا پہونچایا جائے۔ جو شخص اس کے خلاف تقسیم کرے گا وہ مومن نہیں رہ سکتا۔ پس یہ کلام فقط امام ابو حنیفہ و مالک ہی کی رایوں کو غلط اور بے دلیل ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ اوس سے حضرات شیخین کے طرز عمل کا خلاف حکم الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے سہم ذوی القربیٰ کو انھیں حضرات نے ساقط فرمایا تھا اور اس میں جو مصلحت پیش نظر تھی اوس سے بحث کرنا اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔

اجتہاد عجیب

عجائب زمانہ میں سے یہ امر ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ فرمایا کہ تقسیم خمس اور مستحقین مذکورین کے استحقاق دائمی کے لئے آیۂ زیر بحث نص صریح ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ اور اس کے آخری جملے سے یہ ثابت فرمایا کہ اس تقسیم پر عمل کرنا شرط ایمان ہے۔ لیکن کتاب نہایۃ العقول میں اس مسئلہ خمس کو اجتہادی مسئلہ ٹھہرایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قوله رابعاً انه منع اهل البیت خمسهم قلنا هذه مسئلة اجتهادیة والا لوجب علی علیؑ اظهار الانکار لما بینا ان اسباب التقیة کانت زائلة واذا کان کذلك جاز العمل بمقتضی الاجتهاد۔

"چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اہلبیت کو ان کے حق خمس سے محروم کیا، ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ ورنہ علیؑ پر اظہار انکار واجب ہوگا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسباب تقیہ زائل تھے، اور جب ایسا تھا تو بمقتضائے اجتہاد عمل کرنا جائز ہے۔"

ہر بافہم یہ سمجھنے سے قاصر رہے گا کہ کوئی مسئلہ اجتہادی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اوس کا حکم کسی نص صریح و واضح سے نہ ہوتا ہو اور یہاں یہ صورت ہے کہ خود امام رازی کے ارشاد کے مطابق آیۂ زیر بحث صریح لفظوں میں مستحقین زکوٰۃ کی تعیین کرتی ہے جس سے عدول کرنا کسی وقت بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ تو ایسی حالت میں یہ مسئلہ محتاج اجتہاد کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر کسی نے اس کو خواہ مخواہ اپنی قوت اجتہادیہ کا ممنون بنایا ہو تو ایسا اجتہاد جو نص قرآنی کے مقابلہ میں کیا جائے کس طرح دوسروں پر حجت ہو سکتا ہے اور کہاں تک اوس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز ٹھہر سکتا ہے۔ امام رازی کے ان دو مختلف بیانوں پر نظر کرنے کے بعد طالب حق یقیناً حیران رہ جائے گا۔ کہ آخر کس پر ایمان لائے۔

اجتہاد غریب

یہ انوکھا اجتہاد بھی قابل دید ہے کہ آیت مذکورہ کو اجماع صحابہ کے ذریعہ سے منسوخ کر دیا گیا۔ بلکہ اسے ایک قانون بنا دیا گیا۔ ملاحظہ ہو "اصول کرخی ص ۸ مطبوعہ دیوبند مصنفہ امام ابو الحسن کرخی مع شرح امام نجم الدین عمر نسفی"۔

الاصل ان کل آیۃ تخالف قول اصحابنا تحمل علی النسخ کقولہ تعو وللرسول ولذی القربی فی الآیۃ ثبوت سہم ذوی القربی فی الغنیمۃ ونحن نقول انتسخ ذالک باجماع الصحابۃ

"یعنی ایک اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو وہ منسوخ قرار دی جائے گی۔ جیسے آیہ وللرسولہ ولذی القربی سے قرابتداروں کا حصہ ثابت ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اجماع صحابہ کی وجہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔"

اس اجتہاد غریب میں سابق اجتہاد عجیب کا جواب بھی موجود ہے۔ یعنی جب اجماع صحابہ میں یہ زور ہے کہ قرآن صامت کے حکم کو ٹھکرا سکتا ہے تو ناطق کی آواز کو دبا دینا کیا بڑی بات رہی ہوگی۔ کیا اس کے بعد بھی امام رازی کو انکار علی کے تلاش کی ہوس ہے۔

شیعی نظریہ کی تائید

تفسیر مجمع البیان کی عبارت منقولہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ذوی القربٰی کو خمس کا حصہ دار محض اس لئے بنایا گیا ہے کہ تمام صدقات اون پر حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ روایات اہلسنت میں بھی بتائی گئی ہے جن میں سے چند روایتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اون پر نظر کرکے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جب حق خمس ذوی القربٰی کو عطا کئے جانے کی یہی وجہ تھی کہ تمام صدقات اون پر حرام کر دیئے گئے۔ اور اون کی حرمت ہمیشہ باقی بھی رہی کبھی یہ حکم منسوخ نہیں کیا گیا تو ان کا حق بھی یقیناً ہمیشہ باقی رہے گا کسی وقت میں ساقط نہیں ہو سکتا اور ایسی صورت میں کہ اون پر جملہ صدقات حرام تھے۔ جن لوگوں نے ان کو خمس کے حق سے محروم رکھا وہ درحقیقت یہی مقصد پیش نظر رکھتے تھے، کہ ذوی القربٰی کی قوت ہمیشہ کے لئے زائل کر دی جائے اور کبھی ان کو فراغت و رفاہیت کی زندگی نصیب نہ ہونے پائے۔

(۱) اخرج ابن جریر وابن المنذر وابو الشیخ عن مجاہد فی قولہ واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ قال کان النبی صلعم وذوو قرابتہ لا یاکلون من الصدقات شیئا لا یحل لہم فللنبی خمس الخمس ولذی قرابتہ خمس الخمس ولالیتامی مثل ذالک وللمساکین مثل ذالک ولابن السبیل مثل ذالک۔ (تفسیر درمنثور)

"قول باری تعو واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ کے بارے میں ابن جریر اور ابن منذر اور ابو الشیخ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس نے بیان کیا کہ نبی صلعم اور ان کے قرابتدار صدقات نہیں کھاتے تھے، وہ ان کے لئے حلال نہیں۔ پس خمس کا ایک پانچواں حصہ نبی کے لئے اور ایک پانچواں حصہ نبی کے قرابتداروں کے لئے اور اتنا ہی یتیموں کے لئے اور اتنا ہی مسکینوں کے لئے اور اتنا ہی مسافر کے لئے ہے۔"

(۲) اخبرنا عمرو بن یحیی بن الحارث قال اخبرنا محبوب قال اخبرنا ابو اسحاق عن شریک عن خصیف عن مجاہد قال الخمس الذی للہ وللرسول کان النبی وقرابتہ لا یاکلون من الصدقۃ شیئا فکان للنبی خمس الخمس ولذی قرابتہ خمس الخمس ولالیتامی مثل ذلک وللمساکین مثل ذلک ولابن السبیل مثل ذلک

"مجاہد سے روایت ہے کہ خمس خدا و رسول کے لئے ہے۔ نبی اور ان کے قرابتدار صدقہ بالکل نہیں کھاتے تھے۔ پس خمس کا ایک پانچواں حصہ نبی کے لئے اور ایک پانچواں حصہ ان کے قرابتداروں کے لئے اور اتنا ہی یتیموں کے لئے اور اتنا ہی مسکینوں کے لئے اور اتنا ہی مسافروں کے لئے ہے۔ (صحیح نسائی)

(۳) نیز صاحب ہدایہ ذکر زکوٰۃ میں فرماتے ہیں:— ولا تدفع الی بنی ہاشم لقولہ علیہ السلام یا بنی ہاشم ان اللہ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخہم وعوضکم منہا بخمس الخمس۔

"اور زکوٰۃ بنی ہاشم کو نہیں دی جائے گی اس لئے کہ نبی نے فرمایا کہ اے بنی ہاشم بے شک خدا نے تم لوگوں کا دھوون اور میل کچیل حرام کیا ہے اور تمہیں اس کے بدلہ میں خمس کا پانچواں حصہ دیا ہے۔ اس لئے بنی ہاشم کو (زکوٰۃ) نہیں دی جاتی۔

مولوی شبلی کی جسارت آمیز توجیہ

مولوی شبلی نعمانی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر کی بابت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابتداران پیمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے خمس میں اہلبیت کو کبھی حصہ نہیں دیا" اور اس کے بعد فرماتے ہیں "لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابتداروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور گو ان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنی ہی دولت مند اور غنی ہو جائیں تاہم یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے۔ اگر کوئی بانیٔ شریعت ایسا کرے گا تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔"

مجھے یقین ہے کہ ہر وہ شخص جس کا ایمان محض اکابر ملت کے ساتھ بحد افراط خوش اعتقادی تک محدود نہ ہوگا میرے اس خیال کی تائید کرے گا کہ مولوی شبلی صاحب نے اس کلام میں خدا و رسول کی شان میں عدیم المثال جرأت اور گستاخی کی ہے جبکہ خداوند عالم نے مخصوص آیت نازل کر کے ذوی القربٰی کا حق قائم کیا اور اس کے مطابق آنحضرت ہمیشہ ان کو حقدار قرار دیتے رہے۔ اور کوئی آیت یا حدیث ایسی موجود نہیں کہ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حق ذوی القربٰی کسی خاص وقت تک کے لئے معین کیا تھا۔ بعد میں منسوخ و ساقط کر دیا گیا۔ تو اس کو برہمنوں کی خود غرضی سے تشبیہ دینا

خداوند عالم اور اس کے رسولؐ کی شان میں حد درجہ سوء ادب کا مرتکب ہونا اور اُن کے احکام کا نہایت استخفاف کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب کو محض یہ امر خود غرض برہمنوں کے فعل سے مشابہ نظر آیا کہ بانی شریعت اپنے قرابتداروں کا کوئی خاص حق قیامت تک کے لئے قائم کرے حالانکہ اگر قرابتداروں کا مخصوص حق معین کرنا خود غرضی کا نتیجہ ہو سکتا ہے تو اس میں دوام و استمرار یا اون قرابتداروں کے غنا و ثروت کی تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مطلقاً ایسا کرنا محض لحاظ قرابت ہی کی وجہ سے خود غرضانہ برہمنوں کا فعل قرار پا سکتا ہے خواہ وہ کسی مخصوص مدت کے لئے ہو۔ یا قیامت تک کے لئے اور قرابت دار مفلس ہوں یا دولت مند۔ لہذا مولوی صاحب کے لئے مناسب یہی تھا کہ مطلقاً قرابت کا لحاظ کرنے اور ذوی القربیٰ کا مخصوص حصہ خمس میں معین کرنے ہی کو خدا اور رسولؐ کی خود غرضی کا نتیجہ ظاہر فرماتے۔ قرابتداروں کی غنا اور ثروت اور ان کے حق کی تا قیامت بقا سے تعرض کرنا عبث ہے۔

کاش مولوی صاحب اس حقیقت سے باوجود تبحر و افراط معلومات غافل نہ ہوتے کہ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں ان کا مطمح نظر فقط یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیا کی ساری دولت اون کا اور ان کے قرابتداروں کا خاص حصہ بنجائے۔ دوسرے لوگوں کی خوشحالی کے خواہاں نہیں ہوا کرتے۔ لیکن بانئ شریعت اسلام نے ایسا نہیں کیا بلکہ فقط خمس کو اپنی ذات اور اپنے قرابتداروں کے لئے مخصوص فرمایا باقی ہر طرح کے اموال صدقات کو جس کی مقدار خمس سے بہت زیادہ ہوتی ہے اپنے قرابت داروں پر بالکل حرام کر کے اغیار کے لئے چھوڑ دیا۔ لہذا اگر کوتاہ بینی اور تنگ نظری سے الگ ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ قرابت داروں کا حصہ قرار دیا گیا ہے وہ اغیار کے حصول کا عشر عشیر بھی نہیں ٹھہرتا۔ اس لئے خود غرضی کا الزام عاید نہیں ہو سکتا۔ نیز ہم نے تفسیر صافی کی جو عبارت اوپر نقل کی ہے اوس سے ذوالقربیٰ کے خمس کا حقدار بنائے جانے کی وجہ بخوبی عیاں ہوتی ہے اس پر نظر کرنے کے بعد بانی اسلام پر خود غرضی کا الزام وارد کرنے کی جرأت بجز کور دل اور کسیکو نہیں ہو سکتی۔

باقی رہا یہ خیال کہ حق خمس کا ذوی القربیٰ کو باوجود ترقی نسل و دولت ہمیشہ ملتا رہنا ایسا قاعدہ ہوگا جو مطابق اصول تمدن نہیں ہو سکتا۔ جس قدر بھی عجیب تصور کیا جائے کم ہوگا۔ غالباً مولوی صاحب کے نزدیک اصول تمدن کا مقتضی یہی ہے کہ جس خاندان کی نسل و دولت ترقی پذیر ہو اُس کے آمدنی کے وسائل محدود و مسدود کر دیئے جائیں۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ لوگ رفاہیت و استغنا کی زندگی سے محروم ہو کر نان شبینہ کے لئے بھی محتاج ہو جائیں۔ مجھے یہ امید ہرگز نہیں کہ کوئی باحواس شخص ایسے قاعدہ کو جس سے نظام تمدن بالکل درہم و برہم ہو جاتا ہو

مطابق اصول تمدن قیاس کرنے میں مولوی شبلی صاحب کا ہمخیال ہوگا۔ ہاں یہ بات اصول تمدن کے مطابق ضرور ہے کہ تمام دولت و ثروت کسی خاص طبقہ کا حصہ نہ بنا دی جائے بلکہ ہر طبقہ کے حصے علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیئے جائیں تاکہ عام طور سے لوگ نہایت و فارغ البال کی زندگی سے مستفید ہوں۔ چنانچہ بانئ شریعت اسلام نے ایسا ہی کیا ہے کہ ذوی القربیٰ کے لئے خمس میں حصہ مقرر فرما کے باقی اموال صدقات کو جو خمس سے بہت زیادہ تھے اون پر حرام اور اغیار پر مباح اور صاف لفظوں میں اس کی غرض بھی بیان فرما دی ہے جیسے ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

اگر کوئی شخص سرمایہ عقل و دیانت سے تہیدست ہو کر اس اختراعی قاعدہ تمدن کے معاملہ میں مولوی شبلی صاحب کا ہمخیال بننا گوارا بھی کر لے تو بھی ذوی القربیٰ کے ساتھ حضرت عمر کے مشہور برتاؤ کو صحیح و حق بجانب ثابت نہیں کر سکتا کیونکہ اس عہد میں نہ زمین پھٹی اور نہ آسمان سے بارش ہی ہوئی پھر اہلبیت اور دیگر اقارب رسول صلعم کے گھروں میں دولت و مال کی اتنی افراط کیونکر ہو گئی جس سے اون کو اوس حق خمس کو ساقط کر دینا لازم ہو گیا۔ جو خدا کے مخصوص فرمان سے جاری کیا گیا تھا۔ اور عہد رسالت میں کبھی بند نہ ہوا۔ دنیا کی تمام مشہور تاریخیں جو عام طور سے دستیاب ہو سکتی ہیں اون سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ کے مخصوص اقارب کے گھروں کی زینت عسرت و افلاس تھی اور اون کا قابل فخر سرمایہ توکل فقر و فاقہ تھا اور اس حالت میں رسولؐ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کا قول "الفقر فخری" اون کے لئے وجہ تسلی بنتا تھا۔ ممکن ہے کہ فاضل مورخ کو سیاحت روم و شام کے اثنا میں کسی غیر معروف کتب خانہ میں جا کر کسی ایسی کتاب کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوا ہو جو کبھی عام مورخین اسلام کے پیش نظر نہ آئی ہو۔

علاوہ اس کے ہر وسیع النظر یہ خیال کرنے پر مجبور ہوگا کہ اگر حضرت عمر کو اصلاح تمدن کی فکر لاحق تھی تو لازم تھا کہ اس کا انفاذ عام طور سے فرماتے محض چند مخصوص ذوی القربیٰ کے حقوق کو بجبر روک لینا اصلاح عام کے لئے کافی نہیں ہو سکتا حالانکہ تمام کتب تواریخ اسکی شاہد ہیں کہ آپ ہی نے حضرت ابوبکر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ جناب عباس کے پاس جاکر اون کی اولاد کا حصہ خلافت کی آمدنی میں قرار دینا چاہئے تاکہ اون کی ہمدردی و تائید حاصل ہو جانے سے دیگر بنی ہاشم پر حجت قائم ہو سکے چنانچہ اسی غرض سے عم رسولؐ کے پاس جا کر گفت و شنید بھی کی تھی۔ نیز آپ نے اپنے عہد خلافت میں ملکی آمدنی کو سالانہ وظائف کی صورت میں مہاجر و انصار اور دیگر مستحقین پر اس طرح تقسیم فرمایا کہ جماعت مسلمین کے مختلف طبقات پست و بلند بنا دیئے گئے اور ایک کو دوسرے پر نمایاں امتیاز عطا کیا گیا۔ اور بڑی بڑی رقمیں اکابر و عمائد ہی کا وظیفہ قرار دی گئیں جس کا نہایت ناگوار اثر یہ ہوا کہ قانون الٰہی کی رو سے جو مساوات حقوق آنحضرتؐ نے قائم کی تھی اور حضرت ابوبکر کے

عہد تک بہت کچھ باقی تھی اوس کی پوری بیکیجی ہوگئی اور جب چند دلوں کے بعد ایک خلیفہ رسولؐ (علیؑ) نے قانون الٰہی و سنت نبوی پر عمل کرنا چاہا تو اسی طبقۂ اکابر نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ جو عہد خلافت ثانیہ میں درجہ اول کے وظیفہ خوار تھے ہم نے ان باتوں کو رسالہ "سیاست علویہ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے ناظرین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

وما انزلنا علیٰ عبدنا سے مراد وہ آیات اور ملائکہ اور فتح و ظفر ہیں جن کا نزول جنگ بدر میں خداوند عالم کے حکم سے ہوا تھا۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ

"جب تم (میدان جنگ میں مدینہ کے) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ لوگ بعید کے ناکے پر اور (قافلہ کے) سوار تم سے نشیب میں تھے۔"

آنحضرت صلعم نے اہل اسلام سے فتح و ظفر کا وعدہ فرمایا تھا اور کفار کے قتل ہونے کی جگہیں بھی اون کو دکھا دی تھیں جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوا لیکن بایں ہمہ اکثر اہل اسلام کے قلوب خوف و ہراس سے خالی نہ تھے۔ کیونکہ ان کی تعداد کفار کے بہ نسبت بہت کم تھی اور بالکل بے سروسامانی کی حالت تھی۔ اوس پر جس مقام میں اترنا پڑا وہ بالکل صحرائے بے آب تھا۔ ریت اتنی گہری تھی کہ پاؤں چلنے میں دھنس جاتے تھے، برخلاف اس کے کفار کی قوت کے تمام اسباب مہیا تھے، ان کی تعداد کثیر تھی سامان جنگ بہ کثرت موجود تھا تالاب کے کنارے ایسی زمین پر خیمہ زن ہوئے جہاں زمین سخت تھی اور وہ قافلہ جو سامان تجارت لئے ہوئے ابوسفیان کی ماتحتی میں جا رہا تھا نشیب کی جانب اون سے فقط تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ جس سے کمک کے پہونچنے کی بوقت ضرورت پوری امید تھی مگر باوجود ان حالات کے کفار کو شکست اور اہل اسلام کی فتح ہوئی اور خدا و رسولؐ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ لہٰذا یہ فتح آنحضرتؐ کی تصدیق کے لئے روشن دلیل تھی۔

اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا

"جبکہ خدا نے تمہیں خواب میں کفار کو کم کر کے دکھایا تھا اور اگر ان کو تمہیں زیادہ کر کے دکھاتا تو تم یقیناً ہمت ہار بیٹھتے اور لڑائی کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگتے مگر خدا نے اس (بدنامی) سے بچا لیا اس میں تو شک ہی نہیں کہ وہ دلی خیالات سے خوب واقف ہے (یہ وہ موقع تھا) جبکہ تم لوگوں نے مڈبھیڑ کی تو خدا نے تمہاری آنکھوں میں کفار کو بہت کم کر کے دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو تھوڑا کر دیا تاکہ خدا کو جو کچھ کرنا منظور تھا وہ پورا ہو جائے۔"

ایک مرتبہ خداوند عالم نے آنحضرت کو خواب میں کفار کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اسکو آپ نے اہل اسلام سے بیان فرمایا پھر دوبارہ اسکی تصدیق کیلئے اہل اسلام کی نگاہوں میں فریق مقابل کی تعداد گھٹا دی گئی نیز اس سے مقصود یہ بھی تھا کہ اپنے مقابل جماعت کی کثرت دیکھ کر گھبرا نہ جائیں پھر کفار کے سامنے بھی ان اہل اسلام کی تعداد کم کر کے دکھائی تاکہ بے خوف ہو کر جنگ کی تیاریوں میں زیادہ اہتمام نہ کریں جنگ بدر میں جن عجائب قدرت کا ظہور ہوا ان میں یہ امر سب سے زیادہ عجیب تھا جسکی حقیقت و کیفیت کو صحیح طور سے معلوم ہونا غیر ممکن ہے اور جب کہ قدرت کے معمولی کرشموں کی حقیقت کا صحیح طور سے معلوم کرنا عقول انسانی کے لیے میسر نہیں ہوتا تو اگر خوارق عادات و معجزات کی حقیقتوں تک رسائی ممکن نہ ہو تو اس کو وجہ انکار قرار نہیں دیا جا سکتا جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دراصل خالق عالم کی قدرت کاملہ کا انکار کرتے اور کائنات عالم میں اسکے اختیارات و تصرف کو محدود سمجھتے ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ٥

"اور شیطان نے کہدیا کہ میں تم سے الگ ہوں میں وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نہیں سوجھتیں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔"

جنگ بدر کے موقع پر ابلیس سراقہ بن حارث کی شکل بن کر حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا کہ یکایک ہاتھ چھوڑ کر بھاگا حارث بن ہشام نے کہا کہ سراقہ! تو ایسے نازک وقت میں ہمارا ساتھ چھوڑتا ہے اس نے جواب دیا کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے یعنی فرشتوں کی فوج آگئی ہے۔ جب کفار کو شکست ہوئی اور وہ لوگ مکہ میں آئے تو سراقہ کی مذمت کرنے لگے اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارے ساتھ نہ تھا دوسروں نے بھی اسکی تصدیق کی کہ

کہ سراقہ مکہ سے باہر نہیں گیا مگر اسپر بھی لوگوں کو یہی خیال باقی رہا کہ سراقہ وہاں موجود تھا جب وہ لوگ اسلام لائے اس وقت یقین ہوا کہ وہ شیطان تھا۔

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں۔

ورأیت فی کلام الشیخ المفید ابی عبد اللہ محمد بن محمد بن النعمان رض انه یجوز ان یقدر اللہ الجن ومن جری مجراهم علی ان یجتمعوا ویعتمدوا ببعض جواهرهم علی بعض حتی یتمکن الناس من رؤیتهم ویتشبهوا بغیرهم من انواع الحیوان لان اجسامهم من الرقة علی ما یمکن ذلک فیها وقد وجدنا الانسان یجمع الهواء ویفرقه ویغیر صور الاجسام الرخوة ضروبا من التغییر واعیانها لم تزد ولم تنقص وقد استفاض الخبر بان ابلیس تراءی لاهل دار الندوة فی صورة شیخ من اهل نجد وحضر یوم بدر فی صورة سراقة وان جبرئیل علیه السلام ظهر لاصحاب الرسول فی صورة دحیة الکلبی قال وغیر محال ایضا ان یغیر اللہ تعالی صورهم ویکثفها فی بعض الاحوال فیراهم الناس لضرب من الامتحان؛

میں نے شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان رح کے کلام میں دیکھا کہ جائز ہے کہ خدا جنوں اور انکی جیسی مخلوق کو یہ قدرت دیدے کہ وہ بعض جواہر کو بعض کیساتھ جمع کر لیں یہاں تک کہ انسان انکو دیکھنے پر قادر ہو جائے اور اپنے غیر یعنی انواع انسان سے مشابہ بن جائیں۔ کیونکہ ان کے اجسام میں ایسی رقت پائی جاتی ہے جسمیں یہ بات ممکن ہے اور ہم نے انسان کو ایسا پایا ہے کہ وہ ہوا اکٹھی کرتا اور پراگندہ کرتا ہے اور نرم اجسام کی صورتوں میں طرح طرح کے تغیرات پیدا کرتا ہے اور انکی اصل ذات میں کوئی کمی بیشی پیدا نہیں ہوتی۔ اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ دار الندوۃ والوں کو ابلیس شیخ نجدی کی صورت میں دکھائی دیا اور جنگ بدر میں سراقہ کی صورت میں آموجود ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جبریل اصحاب رسول کیلئے دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوئے اور یہ بھی محال نہیں کہ امتحان کے لئے خدا انکی صورتوں کو بدل دے اور انکو بعض احوال میں کثیف کر دے تاکہ لوگ انکو دیکھیں۔

نیز شیخ حسین آفندی اپنے مشہور رسالہ حمیدیہ میں فرماتے ہیں۔

واقتدارها علی التشکل مع انه جائز عقلا

ان جنوں کا صاحب شکل بننے پر قدرت رکھنا علاوہ اسکے

داخل تحت تصرف قدرة اللہ تعالی یمکن توجیهه بان اللہ تعالی کون تلک الاجسام علی کیفیة یقدرون بها علی تناول کمیة من الهواء او الاثیر او نحو ذلک وتکثیفها وتکوینها علی الصورة التی یریدونها ثم یلبسونها کما یلبس احدنا ثوبه فیظهرون للابصار بتلک الصورة وفی الاعمال الکیمیاویة التی اقدر اللہ علیها البشر من تحویلات الاجسام الی بعضها کتحویل الکثیف لطیفا وبالعکس ما یقرب فهم ما قررناه الی العقول وحیث ان تشکل تلک الاجسام کیف ما کان مستند الی عظمة قدرة اللہ تعالی الذی تدهش اعماله الافکار فیما اعطاه للحیوان والنبات من الخواص فلا غرابة فیه اصلا (مطبوعہ مصر ص ۲۵۰)

ازروئے عقل جائز ہے قدرت خدا کے تصرف کے تحت میں داخل ہے اسکی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ خدا نے ان اجسام کو ایسی کیفیت پر خلق فرمایا ہے کہ وہ اسکے ذریعہ سے ہوا اور آگ وغیرہ سے ایک مقدار حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ ہوا کو کثیف کر کے جس صورت میں چاہتے ہیں ڈھال لیتے ہیں پھر جسطرح ہم اپنے کپڑے پہنتے ہیں اسکو پہن لیتے ہیں اور آنکھوں کے سامنے اس صورت خاص میں ظاہر ہوتے ہیں اور کیمیاوی کاموں میں جن پر خدا نے انسان کو قدرت دی ہے اجسام کی حالت میں تبدیل کرنا بھی ہے جیسے کثیف کو لطیف اور لطیف کو کثیف بنا دینا ان تصرفات میں ایسی چیزیں موجود ہیں جو ہماری عقل کیلئے مذکورہ بالا مطلب کا سمجھنا آسان کر دیتی ہیں اور جب یہ مذکورہ اجسام خدا کی قدرت کی عظمت کے لحاظ سے ایسی شکل میں آجاتے ہیں۔ جو عقول کو متحیر کر دیتی ہے تو جو کچھ اس نے حیوانات اور نباتات کو خواص عطا کیے ہیں تو اسمیں قطعاً کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔"

هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (اے رسولؐ وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی)

ینابیع المودۃ میں مرقوم ہے

ابو نعیم الحافظ بسنده عن ابی هریرة ایضا عن ابی صالح عن ابن عباس ایضا عن جعفر الصادق رضی اللہ عنهم قالوا نزلت فی علی وان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

ابو نعیم حافظ نے ابو ہریرہ سے نیز ابو صالح سے اور ابن عباس سے نیز جعفر الصادق رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ آیت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

قال رايت مكتوباً على العرش لا اله الا الله وحده لا شريك له محمد عبدی ورسولی ايدته ونصرته بعلی بن ابی طالب

یعنی عرش پر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد میرا بندہ اور رسول ہے میں نے اس کی تائید اور نصرت علی ابن ابی طالب سے کی ہے لکھا ہوا دیکھا (صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

"اے رسول! تم کو بس خدا اور جو مومنین تمہارے تابع فرمان ہیں کافی ہیں۔"

اس آیت میں "من اتبعک من المومنین" سے علی بن ابی طالب علیہ السلام مراد ہیں (دیکھو ارجح المطالب صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ لاہور)

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی يُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

"کوئی نبی جب تک روئے زمین پر (کافروں کا) خون نہ بہائے اس کے یہاں قیدیوں کا رہنا مناسب نہیں تم لوگ تو دنیا کے ساز و سامان کے خواہاں ہو اور خدا (تمہارے لئے) آخرت کی (بھلائی) کا خواہاں ہے اور خدا زبردست حکمت والا ہے۔"

مسلمانوں کو اس جنگ میں صرف اتنا حکم دیا گیا تھا کہ کفار کو قتل کریں انکو گرفتار کر کے لانے کا حکم نہ خدا نے دیا تھا اور نہ رسول نے مگر جب کافروں کو شکست ہوئی اور بھاگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا اور بجائے قتل کرنے کے انکو گرفتار کرنے لگے اور مقصود اس سے یہ تھا کہ ان سے فدیہ کی بڑی بڑی رقمیں وصول کریں اگر قتل کر دیں گے تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ جب آنحضرت کے پاس اسیروں کو لائے تو آپ نے سب سے پہلے نضر بن الحرث اور عقبہ بن معیط کو قتل کرا دیا یہ دیکھ کر انصار کو خوف ہوا کہ اگر کہیں اسی طرح تمام کفار کے قتل کا حکم ہو گیا تو سارے منصوبے خاک میں مل جائینگے لہذا عرض کی کہ یا رسول اللہ! لڑائی میں تو ہم نے ان کے ستر آدمیوں کو قتل کر ہی دیا ہے اب کیا یہ منشا ہے کہ انکی اصل ہی منقطع ہو جائے پس مناسب یہ ہے کہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اس پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور بعد میں انکو فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی اجازت دیدی۔

کیونکہ جس وقت لڑائی جاری تھی اس وقت قتل کر دینے سے کوئی الزام وارد نہیں ہوتا لیکن لڑائی ختم ہو جانے کے بعد اسیروں کو قتل کر دینا عام طور سے مشرکین کے نزدیک شدت و فساد پر محمول کیا جاتا اور جذبات عداوت و انتقام زیادہ مشتعل ہو جاتے لہذا اکرم النفسی کا ثبوت دیکر فتنہ و فساد کے اشتعال عام کو روکنا ضروری تھا۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

"اور اگر خدا کی طرف سے پہلے ہی (اسکی معافی کا حکم نہ آچکا ہوتا تو تم نے جو بدر کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کے بدلے) فدیہ لیا تھا اس کی سزا میں تم پر عذاب نازل ہو کر رہتا۔"

کفار کی شکست کے بعد جو اموال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے اس پر انہوں نے تصرف کر لیا اور یہ انتظار نہ کیا کہ اس بے اجازت تصرف پر عذاب عظیم نازل کر دیتے۔ آیت کا یہ سبب نزول متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے منجملہ ان کے چند روایتیں یہ ہیں۔

(۱) اخرج ابن ابی شيبة فی المصنف و الترمذی وصححه والنسائی وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشيخ وابن مردويه والبيهقی فی سننه من طريق ابی صالح عن ابی هريرة رضی الله عنه قال لما كان يوم بدر تعجل الناس الی الغنائم فاصابوها قبل ان تحل لهم فقال رسول الله ص ان الغنيمة لا تحل لاحد سوی الرؤس قبلكم كان النبی واصحابه اذا غنموا جمعوها ونزلت نار من السماء فاهلكتها فانزل الله هذه الآية لولا كتاب من الله سبق الی آخر الآيتين

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں اور نسائی اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابو صالح کے طریق سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ (ابوہریرہ) نے کہا کہ جب جنگ بدر ہوئی تو لوگ غنیمتوں کی طرف جھپٹے اور انکو قبل اسکے کہ حلال کی جائیں تصرف میں لائے اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ غنیمت سوائے سرداروں کے کسی کے لئے حلال نہیں ہے تم سے پہلے نبی و اصحاب نبی جب غنیمت پاتے تو اسکو اکٹھا کر دیتے تھے اور آسمان سے آگ نازل ہو کر اسکو خاک کر دیتی تھی پس لولا کتب من اللہ سبق الخ نازل ہوا۔

[illegible]

(۲) اخرج اسحٰق بن راھویہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی فی الاوسط وابو الشیخ وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ لولا کتاب من اللہ سبق لمسّکم فیما اخذتم عذاب عظیم یعنی غنائم بدر قبل ان یحلھا لھم یقول لولا انی اعذب من عصانی حتی اتقدم الیہ لمسّکم عذاب عظیم۔

اسحٰق بن راہویہ اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول خدا لولا کتاب من اللہ سبق الخ کے بارے میں نقل کیا ہے یعنی بدر کی غنیمتیں ان کے لئے حلال ہونے سے پہلے کیلئے خدا فرماتا ہے کہ اگر میں اپنی نافرمانی کرنے والے کو آگاہی کے بغیر عذاب کیا کرتا تو تمکو بڑا عذاب پہونچتا۔
(تفسیر در منثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۰۳)

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ

"اور ہاں، اگر دینی امر میں تم سے مدد کے خواہاں ہوں تو تم پر (انکی) مدد کرنی لازم و واجب ہے مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں (نہیں) جن میں اور تم میں باہم (صلح کا) عہد و پیمان ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا دیکھ رہا ہے۔"

کفار کے ساتھ عہد و میثاق پر قائم رہنے کی تاکید متعدد آیتوں میں کی گئی ہے منجملہ ان کے ایک آیت یہ بھی ہے کہ باوجود غلبہ مسلمانوں کو عہود و مواثیق پر قائم رہنے کی تاکید میں کتنا اہتمام بلیغ ملحوظ رکھا گیا ہے اور ذاتی منفعت کے مقابلہ میں انکے احترام کو ترجیح رکھنا کس طرح واجب و لازم قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ اتنا مشکل امر ہے کہ دنیا کی تمام مدعی تہذیب اقوام اس پر عمل کرنے سے عاجز نظر آتی ہے جسکے شاہد وہ ہزارہا عہد نامے ہیں جن کے اوراق آئے دن ذاتی و قومی اغراض کے بے درد ہاتھوں سے چاک ہو کر بے وقعتی و بد عہدی کی ہوائے پریشاں میں منتشر نظر آتے ہیں۔ ہم یہاں پر امیر المومنین ع کے ایک جواب خطے جو مصر کے گورنر مالک اشتر کے نام تحریر فرمایا ہے چند سطریں نقل کرتے ہیں جن سے بحد کمال واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلام ایفائے عہد کو کتنا اہم قرار دیتی ہے۔

ان عقدت بینک و بین عدو لک عقدۃ او البستہ منک ذمۃ فحط عھدک بالوفاء وارع ذمتک بالامانۃ واجعل نفسک جنۃ دون ما اعطیت فانہ لیس من فرائض اللہ شیء الناس اشد علیہ اجتماعاً مع تفرق اھوائھم وتشتت آرائھم من تعظیم الوفاء بالعھود وقد لزم ذلک المشرکون فیما بینھم دون المسلمین لما استوبلوا من عواقب الغدر فلا تغدرن بذمتک ولا تخیسن بعھدک ولا تختلن عدوک فانہ لا یجتری علی اللہ الا جاھل شقی وقد جعل اللہ عھدہ وذمتہ امناً افضاہ بین العباد برحمتہ وحریماً یسکنون الی منعتہ ویستفیضون الی جوارہ فلا ادغال ولا مدالسۃ ولا خداع فیہ ولا تعقد عقداً تجوز فیہ العلل ولا تعولن علی لحن القول بعد التاکید والتوثقۃ ولا یدعونک ضیق امر لزمک فیہ عھد اللہ الی طلب انفساخہ بغیر الحق فان صبرک علی ضیق امر ترجو انفراجہ وفضل عاقبتہ خیر من غدر تخاف تبعتہ وان تحیط بک من اللہ فیہ طلبۃ فلا تستقیل فیھا

اگر تم نے دشمن سے کوئی معاہدہ کیا ہو یا اسکے لئے کوئی ذمہ داری قبول کی ہو تو دیانت داری کیساتھ معاہدے کی حفاظت اور ذمہ داری کی نگہداشت کرنا، اور اپنی ذات کو اس عہد و پیمان کے تحفظ کیلئے سپر بنا دینا اس لئے کہ واجبات خداوندی میں سے کوئی واجب ایفائے عہد سے زیادہ باعظمت عامۃ الناس کیلئے نہیں ہے (کیونکہ) وہ باوجودیکہ خواہشوں اور نظریوں میں اختلاف رکھتے ہیں پھر بھی اس (وفائے عہد کے) باب میں سختی کیساتھ متحد الخیال ہیں حتی کہ مسلمانوں سے قبل خود مشرکین بھی باہدیگر اسکے پابند تھے کیونکہ عہد شکنی کے نتائج کے وبال میں پڑ چکے تھے تو خبردار اپنی ذمہ داری اور معاہدہ کو شکستہ اور خیانت زدہ نہ بنانا اور نہ اپنے دشمن کو دھوکا دینا (کیونکہ) یہ خدا کی بارگاہ میں جسارت ہے اور خدا کی بارگاہ میں جسارت صرف بدنصیب جاہل کرتا ہے اور خدا نے اپنے عہد و پیمان کو اپنی رحمت کی بنا پر امن و آسائش بنا کر اپنے بندوں کے درمیان پھیلا دیا ہے اور اسے ایسی جائے پناہ بنا دیا ہے کہ لوگ اسکے استحکام کے سہارے زندگی بسر کرتے اور اسکی ہمسائگی کی بدولت فیض اٹھاتے ہیں لہذا معاہدے میں دغل فصل اور دھوکا دھڑی روا نہیں اور ایسا معاہدہ نہ کرنا جسمیں تاویل اور بہانے

دنیاک دالاخر تک :

کی گنجائش ہو اور تاکید و توثیق عہد نامہ کے بعد اسمیں دورخی بات (غلط پہلو) پر اعتماد نہ کرنا اور معاہدے کی پابندی میں دشواری بلاوجہ اسکو شکست کردینے پر تمہیں آمادہ نہ کرے کیونکہ کسی ایسی دشواری پر تمہارا صابر رہنا جسمیں سہولت اور بہتر نتیجے کی تمکو امید ہو اس عہد شکنی سے کہیں بہتر ہے جسکے برے نتیجے اور خدا کے ایسے محاسبے کا تمہیں خوف ہو جسکی معافی نہ دنیا میں ہو سکتی ہے نہ آخرت میں۔"

سورۃ البرأۃ

بَرَاۤءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ

"(اے مسلمانو) جن مشرکوں سے تم لوگوں نے (صلح کا) عہد وپیمان کیا تھا اب خدا اور اسکے رسول کیطرف سے ان سے بیزاری ہے۔"

اس مقام پر چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

(اول) اس سورۃ کے شروع میں آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نازل نہیں کی گئی اور اسکی وجہ اس روایت سے معلوم ہوتی ہے۔

اخرج ابو الشیخ و ابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال سالت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لم لم تکتب فی برأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال لان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان وبرأۃ نزلت بالسیف۔

ابو شیخ اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ برأۃ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیوں نہیں لکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان ہے اور برأۃ شمشیر زنی کیلئے نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹)

یہی وجہ آیۂ بسملہ کے نازل نہ ہونے کی تفسیر مجمع البیان میں بھی مروی ہے۔

(دوم) جس وقت اس سورت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت نے انکی تبلیغ پر حضرت ابوبکر کو معین کر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ فرمایا ابھی وہ کچھ دور پہونچے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور خداوند عالم کا یہ پیام لائے کہ اے رسول! یا تو خود تبلیغ کرو یا جو شخص تم سے ہو اسکو بھیجو یہ کام تمہاری طرف سے کوئی غیر شخص انجام نہیں دے سکتا۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی ابن ابیطالب کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ابھی جاؤ اور ابوبکر سے ان آیتوں کو لیکر مکہ روانہ ہوجاؤ اور انکو مدینہ واپس کردو۔ یہ واقعہ محدثین اہل اسلام کی اکثر کتابوں میں مروی ہے چونکہ تمام روایات کا نقل کرنا باعث طوالت ہوگا اس لئے فقط چند روایتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) اخرج عبد بن احمد بن حنبل فی زوائد المسند وابو الشیخ وابن مردویہ عن علی رضی اللہ عنہ قال لما نزلت عشر آیات من براۃ علے النبی صلعم دعا ابوبکر رضی اللہ عنہ لیقرأها علے اهل مکۃ ثم دعانی فقال لی ادرک ابابکر فحیثما لقیتہ فخذ الکتاب منہ ورجع ابوبکر رضی اللہ عنہ فقال یا رسول اللہ نزل فی شیٔ قال لا ولکن جبرئیل جاءنی فقال لن یودی عنک الا انت او رجل منک

(۱) عبد بن حنبل نے زوائد المسند میں اور ابو شیخ اور ابن مردویہ نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جب برأت کی دس آیتیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں تو آپ نے حضرت ابوبکر کو وہ آیتیں اہل مکہ پر پڑھنے کیلئے بلایا پھر مجھے بلا کے کہا کہ ابوبکر کے پاس جاؤ اور جہاں انکو پاؤ تحریر لے لو۔ ابوبکر واپس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اسے اور کوئی نہیں پہونچا سکتا یا میں خود جاؤں یا اس مرد کو بھیجوں جو مجھ سے ہو۔

(۲) اخرج ابن مردویہ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ علیہ وسلم بعث ابابکر رض ببراۃ الی اهل مکۃ ثم بعث علیا رض علے اثرہ فاخذها منہ فکان ابوبکر رض وجد فی نفسہ فقال النبی ص یا ابابکر انہ لا یودی عنی الا انا او رجل منی (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۰۹)

(۲) ابن مردویہ نے سعد بن ابی وقاص سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے ابوبکر کو برأت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا پھر علی رض کو ان کے پیچھے روانہ کیا پس علی نے ابوبکر سے وہ سورہ لے لیا ابوبکر کو اس کا رنج ہوا تو نبی صلعم نے فرمایا اے ابوبکر اسکو میں یا میرے گھرانے کا آدمی ہی پہونچا سکے گا۔"

(۳) عن علی قال لما نزلت عشر آیات من براۃ

(۳) علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم

علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا ابابکر فبعثہ
بھا لیقرأھا علی اھل مکۃ ثم دعانی فقال لی ادرک
ابابکر فحیثما لقیتہ فخذ الکتاب فاذھب بہ الی اھل
مکۃ فاقرأہ علیہم فلحقتہ بالجحفۃ فاخذت
الکتاب منہ ورجع ابوبکر فقال یارسول اللہ
انزل فی شیٔ قال لا ولکن جبرئیل جاءنی
فقال لا یؤدی عنک الا انت او رجل منک
(اخرجہ احمد والنسائی) (ارجح المطالب امرتسری ص ۵۶۳)

پر برأت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے ابوبکر کو بلاکے اہل مکہ پر وہ آیتیں پڑھنے کیلئے بھیجا پھر مجھ کو بلاکے کہا کہ ابوبکر کے پاس جاؤ اور جہاں وہ ملیں ان سے تحریر لیکر اہل مکہ کے پاس لے جاؤ اور انکو پڑھ کر سناؤ پس میں ابوبکر سے جحفہ میں جا ملا اور میں نے ان سے تحریر لے لی اور ابوبکر واپس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ تمہاری طرف سے تم خود یا تمہارے گھرانے کا آدمی ہی پہونچے گا ——"

امام فخر الدین رازی وغیرہ نے جناب ابوبکر کو معزول کر کے امیر المومنین کو خدمت تبلیغ آیات سورۂ برأت پر معین کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ معاہدات کے حل وعقد کے معاملہ میں عرب کی رسم وعادت یہ تھی کہ صاحب معاہدہ خود اس کام کو انجام دیتا یا اپنے اقارب میں سے کسی کو بھیجتا تھا۔ چونکہ آیات سورۂ برأت کو اہل مکہ تک پہونچانے کا مقصد یہی تھا کہ تمام معاہدات سابقہ کے ختم کر دیئے جانے سے انکو مطلع کر دیا جائے اس لئے اگر جناب ابوبکر تشریف لے جاتے تو انکی بات کوئی نہ سنتا لہٰذا آنحضرتؐ نے انکی جگہ پر امیر المومنینؑ کو معین فرمایا تاکہ اہل مکہ کو تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہو سکے۔

غالباً معاملہ فہم اشخاص میری اس رائے سے متفق ہونگے کہ یہ تاویل کئی وجہوں سے درست نہیں ہوسکتی۔

(پہلی وجہ) یہ ہے کہ اگر عرب کی رسم وعادت کا لحاظ کرنا منظور ہوتا تو آنحضرتؐ پہلے ہی امیر المومنینؑ کو اس خدمت کے لئے منتخب فرماتے۔ جناب ابوبکر کو ناحق سفر کی زحمت دینے کی ضرورت کیا تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ جناب ابوبکر کو روانہ کرنے کے وقت آنحضرتؐ کو وہ رسم جاہلیت یاد نہ تھی۔ خدا نے جبرئیل کو بھیجکر یاد دلائی تو یہ ایک ایسی بات ہوگی جس کے باور کرنے کے لئے کوئی عاقل دیندار آمادہ نہیں ہوسکتا۔ قطع نظر اس کے کہ رسولؐ کے لئے سہو ونسیان جائز ہے یا نہیں۔ ایسی معمولی رسم وعادت کو جو قوم عرب میں عام طور سے رائج ہو بالکل فراموش کر جانا قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بفرض محال آنحضرت صلعم اس کو بھول گئے ہوتے تو ابوبکر یا کوئی دوسرے بزرگوار حضور رحمتہ

کر دیتے چونکہ کسی نے اس وقت اس رسم وعادت کا تذکرہ نہیں کیا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کی طرح حضرات صحابہ بھی فراموشی کے عالم میں تھے۔ حالانکہ اتنے مجمع کثیر کا یکبارگی سہو ونسیان میں مبتلا ہو جانا ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خاصکر ایسی بات کی بابت جو حد عموم وشہرت کو پہنچکر قومی رواج اور ملکی رسم وعادت بن گئی ہو۔ علاوہ اس کے خداوند عالم کی طرف سے مخصوص طور سے جبرئیل امین کا محض اس لئے بھیجا جانا کہ ایک فراموش شدہ رسم جاہلیت کی یاد دہانی کریں کسی طرح باور کئے جانے کے قابل نہیں ہوسکتا۔

(دوسری وجہ) خداوند عالم کے اس پیام "لا یؤدی عنک الا انت او رجل منک" کا یہ محمل کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ رسم وعادت عرب کے مطابق ان آیتوں کو یا تو خود پہونچاؤ یا کسی ایسے شخص کو بھیجو جو تم سے ہو۔ اگر کسی غیر کو بھیجو گے تو اہل مکہ اس کی تبلیغ تسلیم نہ کریں گے بلکہ اس پیام کی لفظوں سے بھی یہی مطلب صاف طور سے واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے فرائض یا تو خود ادا کرو یا ایسے شخص کو بھیجو جو تمہاری جیسی صلاحیت رکھتا ہو۔ تیسرا شخص اون کو ادا کرنیکی اہلیت نہیں رکھتا۔

(تیسری وجہ) اس وقت آنحضرت صلعم کو کفار مکہ سے کوئی معاہدہ کرنا مقصود نہ تھا تاکہ ان کی رسم ورواج کی رعایت کر کے رضامندی کا حاصل کرنا ضروری ہوتا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ معاہدہ کو تسلیم نہ کرتے۔ بلکہ اہل مکہ کو فقط اس امر پر مطلع کرا دینا مقصود تھا کہ ان کی خیانت وبیوفائی کی وجہ سے تمام معاہدات سابقہ ختم کر دیئے گئے۔ اب کسی کی پابندی ہماری طرف سے بھی نہیں کی جائیگی اور ظاہر ہے کہ فسخ معاہدات کی خبر پہونچانے کے لئے کسی رسم وعادت کی رعایت کرنا ضروری نہ تھا اور نہ اسکی حاجت تھی کہ اہل مکہ اس کو تسلیم بھی کر لیں۔ جن آیتوں کی تبلیغ کا معاملہ درپیش تھا اس کی لفظیں خود صاف طور سے ظاہر کر رہی تھیں کہ اب اہل مکہ سے کوئی رو رعایت نہ کیجائے گی۔ اور درحقیقت اسی بات پر اون کو آگاہ کر دینا مقصود تھا۔ پس ہر طرح کی رو رعایت کو ختم کر دینے کی خبر سنانے میں اون کے کسی قاعدہ کی رعایت کرنے کی حاجت نہ تھی۔ اور نہ اون کو تسلیم کرنے اور نہ کرنے پر التفات کرنے کی ضرورت، فریب ودغا کے اتہام سے بچنے کے لئے ان کو محض مطلع کر دینا لازم تھا خواہ وہ اپنے کسی قرابتدار کے ذریعہ ہوتا یا کسی غیر قرابتدار کے واسطے سے۔

(سوم) اس آیت میں "الی الذین عاھدتم من المشرکین" سے وہ مشرکین مراد ہیں جنھوں نے عہد وپیمان کو پورا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اوس کے برخلاف فتنہ انگیزی کیا کرتے تھے۔ چونکہ خود انھوں نے معاہدہ کی پابندی نہیں کی تھی۔ اس لئے مسلمانوں پر بھی از روئے اخلاق اس پر قائم رہنا ضروری نہیں رہ گیا تھا باقی جن کفار نے اپنے معاہدات کا احترام کیا تھا اون کی بابت دوسری آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ہوا۔ "الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احداً"

فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم" "مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد و پیمان کیا ہے پھر انھوں نے اس میں کوئی کوتاہی تم سے نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے عہد و پیمان کو جتنی مدت کے واسطے مقرر کیا ہے پورا کرو۔"

(چہارم) امیر المومنینؑ نے مکہ میں پہنچ کر جن باتوں کا اعلان فرمایا وہ اس روایت سے واضح ہوتی ہیں۔

عن زید بن نقیع قال سئلنا علیا بای شیء بعثت فی ذی الحجۃ قال بعثت باربعۃ لا یدخل الکعبۃ الا نفس مومنۃ ولا یطوف بالبیت عریان ولا یجتمع مومن وکافر فی المسجد بعد عامہ ھذا ومن کان بینہ وبین رسول اللہ عھد فعھدہ الی مدتہ ومن لم یکن لہ عھد فاجلہ اربعۃ اشھر۔

"زید بن نقیع سے مروی ہے کہ ہم نے علیؑ سے دریافت کیا کہ آپ ذی الحجہ میں کس چیز کے لئے بھیجے گئے تو آپؑ نے فرمایا کہ چار باتوں کے لئے کعبہ میں صرف مومن داخل ہو سکے گا اور کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے گا۔ اور اس سال کے بعد مومن و کافر مسجد الحرام میں اکٹھا نہ ہو سکیں گے اور جس سے رسول خداؐ سے معاہدہ ہوا ہے وہ اپنی مدت تک کے لئے ہے اور جس سے عہد نہیں ہے اس کی مدت چار ماہ ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ

"اور اے رسولؐ اگر مشرکین میں سے تم سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہونچا دو۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ نادان ہیں۔"

یہ آیت اسلامی حمیت اور رعایت قوانین اخلاق کو واضح طور سے ثابت کرتی ہے اگرچہ بدعہد مشرکین کے قتل کرنے کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ اگر اون میں سے کوئی شخص امان مانگے تو امان دیدو اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو اس کی جائے امان تک پہونچا دو تا کہ جان و مال کے تلف ہو جانے کا خطرہ اسکو لاحق نہ رہے۔ اور اس بات کا خیال رکھو کہ یہ نادان قوم ہے جہاں تک نرمی و مہربانی سے راہ راست پر لائی جائے بہتر ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

"(جب) مشرکین (نے خود عہد شکنی کی تو ان) کا کوئی عہد و پیمان خدا کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے۔ مگر جن لوگوں سے تم نے خانۂ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو وہ لوگ (اپنا عہد و پیمان) تم سے قائم رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے (اپنا عہد) قائم رکھو۔ بیشک خدا (بد عہدی سے) پرہیز کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

(۱) مقصود یہ ہے کہ جب ان مشرکین نے خود معاہدہ کی پابندی نہ کی تو اب خدا و رسولؐ پر اس کا لحاظ کرنا کیونکر لازم ہو سکتا ہے۔

(۲) کتاب سیرۃ بن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے کہ جو عہد نامہ بروز حدیبیہ لکھا گیا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ عرب قبائل میں جس قبیلہ کا منشا ہو وہ قریش کے عہد میں داخل ہو جائے۔ اور جس کو پسند ہو وہ آنحضرتؐ کے عہد میں شامل ہو جائے۔ اور اس صورت میں جو قبیلہ قریش کا شریک ہوگا۔ ان کو ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی جو قریش نے قبول کی تھی۔ اور جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہوگا اس کو ان شرائط کو پورا کرنا ہوگا جو آنحضرتؐ نے اپنے لئے تسلیم کر لئے تھے۔ چنانچہ بنی بکر کا قبیلہ قریش کے ساتھ ہوا اور قبیلہ خزاعہ نے آنحضرتؐ کے عہد میں داخل ہونا قبول کیا۔ پس عہد نامے کے لحاظ سے بنی بکر پر لازم ہو گیا تھا کہ خزاعہ کے خلاف کوئی مخاصمانہ کاروائی نہ کرتے اسی طرح قریش بھی پابند ہو گئے تھے کہ ان کے خلاف چھیڑ چھاڑ سے باز رہتے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر چڑھائی کی اور قریش نے ان کا ساتھ دیا۔ لہٰذا وہ عہد نامہ جس کی پابندی انھوں نے اپنے ذمہ لی تھی اون کے حق میں بالکل بے کار ہو گیا۔ لیکن کچھ قبیلے ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے ترتیب معاہدات کے وقت قریش کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس وقت میں اپنے عہد کا لحاظ کر کے قریش کے ساتھ ہو کر بنی بکر کی امداد سے باز رہے پس خداوند عالم نے بھی اس اعلان عام سے جو فسخ معاہدات کے متعلق فرمایا تھا۔ الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام۔ فرما کر اون کو مستثنےٰ کر دیا۔

اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جب تک یہ لوگ اپنے عہد میں قائم رہیں تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔ وفائے عہد کی تاکید کلام الہٰی و احادیث رسول میں اتنی سختی کے ساتھ کی گئی ہے جس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتی آنحضرت صلعم ایک حدیث میں یہاں تک فرمایا ہے کہ جو شخص معاہدات کا احترام نہیں کرتا وہ بے دین ہے"

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۵

"کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی آبادی کو اس شخص کے ہمسر بنا دیا ہے۔ جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے اور خدا کی راہ میں جہاد کیا خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں۔ اور خدا ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے"

مولوی عبید اللہ امرتسری کتاب ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:—

اخرج ابو حاتم وابو الشیخ وعبد الرزاق وابن ابی شیبہ وابن جریر وابن مندہ والثعلبی فی تفسیرہ والواحدی فی کتابہ المسمی باسباب النزول والقرظی وابن اثیر فی جامع الاصول والنسائی فی سننہ والسیوطی فی الدر المنثور والحافظ ابو نعیم فی فضائل الصحابۃ قالوا ان علیا والعباس وطلحۃ ابن ابی شیبۃ افتخروا فقال طلحۃ انا صاحب البیت مفتاحہ بیدی ولو شئت کنت فیہ فقال العباس انا صاحب السقایۃ والقائم علیہا فقال علی رضی اللہ عنہ لا ادری ما تقولان لقد صلیت

"ابو حاتم اور ابو الشیخ اور عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن مندہ نے اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں اور قرظی نے اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور نسائی نے اپنی سنن میں اور سیوطی نے در منثور میں اور حافظ ابو نعیم نے فضائل الصحابہ میں نقل کیا ہے ان سب نے لکھا ہے کہ علیؑ اور عباسؓ اور طلحہ بن ابی شیبہ نے باہم مفاخرت کی۔ پس طلحہ نے کہا میں مالک خانہ کعبہ ہوں اور اس کی کنجی میرے قبضہ میں ہے اگر میں چاہوں تو اس میں رہوں عباس نے کہا میں سقایہ (زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے) کا مالک ہوں

ستۃ اشہر قبل الناس وانا صاحب الجہاد فی سبیل اللہ فانزل اللہ تعالیٰ اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام الآیۃ (ارجح المطالب صفحہ ۱۷)

اور اس پر متعین ہوں حضرت علی نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے تمام لوگوں سے چھ ماہ پہلے سے نماز پڑھی ہے اور میں راہ خدا میں جہاد کرنے والا ہوں۔ پس خدا تعالیٰ نے اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کی آیت نازل فرمائی"

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ

"خدا نے تمہاری بہت سے مقامات پر (غیبی) امداد کی اور خاص کر جنگ حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت (تعداد) نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی کام میں نہ آئی اور تم ایسے گھبرائے کہ) زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے"

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے یہاں جو جنگ واقع ہوئی اسکا سبب یہ ہوا کہ جب قبیلہ ہوازن و ثقیف کے سرداروں کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے قریش کو مغلوب کر لیا اور مکہ فتح ہو گیا تو بغض و حسد کی آگ جو پہلے ہی ان کے سینوں میں تھی بھڑک اٹھی، اور متفکر ہوئے کہ کہیں لشکر اسلام انکی طرف رخ نہ کرے غرض سب کے سب اپنے رئیس مالک بن عوف النضری کے پاس جمع ہوئے اور وہاں طے پایا کہ قبل اسکے کہ مسلمانوں کو ہم پر فوج کشی کا خیال ہو ہماری فوج ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور انکی ساری قوت کا خاتمہ کر دے انھیں سرداروں میں درید بن الصمہ ایک پیر نابینا تجربہ کار بھی موجود تھا اس نے اس رائے سے مخالفت کی اور کہا کہ ایسا نہ کرو ورنہ فضیحت و مصیبت میں پڑ جاؤ گے، تمہارے مال و متاع عورات و اطفال دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے، مگر وہ لوگ بغض و عداوت میں ایسے اندھے ہو رہے تھے کہ انجام کار سوجھائی نہ دیا اور چار ہزار جوانوں کا لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ لیکر روانہ ہو گئے۔ مالک بن عوف النضری اس لشکر کا قائد تھا عورتوں اور بچوں کو بھی رسم عرب کے مطابق ساتھ لے لیا تھا تاکہ وہ بوقت حرب غیرت دلا کر لڑائی پر ابھارتے رہیں جب انکی فوج کشی کی اطلاع آنحضرت کو ہوئی تو فرمایا کہ انشاء اللہ یہ سب ساز و سامان اہل اسلام کے قبضے میں آئیگا اور بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر ہمراہ لیکر کفار کے مقابلہ کیلئے نکلے جس وقت دونوں لشکر مقابل ہوئے تو حضرت ابو بکر یا کسی اور صحابی نے اپنے رفقا کی کثرت اور کفار کی قلت دیکھ کر کہا کہ آج تو ہم کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتے ہماری فتح ضرور ہوگی یہ عجب و غرور سے بھرا ہوا کلام جو محض دنیوی اسباب پر اعتماد کر کے کیا گیا تھا۔ قلب مبارک پر نہایت شاق گذرا اور خداوند عالم کو بھی ناپسند ہوا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو کفار کی وہ فوج جو کمینگاہوں میں چھپی بیٹھی تھی اور تیر اندازی میں پوری مہارت رکھتی تھی یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی اور اس کثرت سے تیر برسانے لگی کہ مسلمان گھبرا گئے اور میدان جنگ میں ثابت قدم نہ رہ سکے صرف اہل بیت میں نو آدمی آنحضرت کے پاس رہ گئے باقی جملہ مجاہدین تتر بتر ہو گئے پہلے تو آپ خود ان بھاگنے والوں کو پکارتے رہے کہ اے بندگانِ خدا کہاں جاتے ہو میں خدا کا رسول ہوں مجھے یقین ہے کہ اسکا وعدہ غلط نہ ہوگا تمہاری فتح یقینی ہے

مگر جب کسی نے مڑ کے بھی نہ دیکھا تو جناب عباس سے فرمایا کہ ان الفاظ سے انکو پکاریں "یا اصحاب سورۃ البقرہ یا اھل بیعۃ الشجرۃ الی این تفرون ھذا رسول اللہ" چونکہ جناب عباس بلند آواز آدمی تھے اس لیے انکی چیخ و پکار لوگوں کے کانوں تک پہونچی اور سب کے سب پلٹے اور دوبارہ کفار پر حملہ آور ہوئے ادھر فرشتے بھی مدد کے واسطے آ گئے۔ غرض لشکر اسلام ظفریاب ہوا اور بہت سے کفار قتل و اسیر ہوئے مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔ خدا نے اسی موقع کی بد حواسی اور فرار کو اس آیت میں یاد دلایا ہے اور مسلمانوں کو جتایا ہے کہ اسی کی نصرت کیوجہ سے تمکو فتح نصیب ہوئی تھی ورنہ تم تو ایسے گھبرا کے بھاگے تھے کہ زمین باوجود وسعت کے تمہارے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ بھاگنے کیلئے راہ نہ ملتی تھی۔ اکثر علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ در اصل مسلمانوں کے شکست کے باعث وہی کلمات عجب و غرور ہوئے تھے جو شان توکل علی اللہ کے بالکل خلاف تھے۔ خدا نے شروع میں اپنی مدد نہیں بھیجی تا کہ جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ انکی جمعیت اور قوت حصول فتح کیلئے کافی ہو جاویگی۔ ان پر ظاہر ہو جائے کہ بغیر نصرت الٰہی کچھ بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

ثم قال لم تغن عنکم ومعنی الاغناء اعطاء ما یدفع الحاجۃ فقولہ لم تغن عنکم شیئاً ای لم یعطکم شیئاً یدفع حاجتکم والمقصود من ھذا الکلام ان اللہ تعالیٰ اعلمھم انھم لا یغلبون بکثرتھم وانما یغلبون بنصر اللہ فلما اعجبوا بکثرتھم صاروا منھزمین

پھر باری تعالیٰ نے فرمایا فلم تغن عنکم اور اغناء کے معنی ہیں اتنا دینا جو حاجت پوری کر دے لہذا خدا کا قول لم تغن عنکم شیئاً کے یہ معنی ہیں کہ "تمکو اتنا نہیں دیا جو تمہاری حاجت روائی کر دے اور اس کلام کا مقصود یہ ہے کہ خدا نے انکو یہ تبلایا کہ وہ اپنی کثرت کے ذریعہ غالب نہونگے بلکہ خدا کی مدد سے غالب ہونگے پس جب انہوں اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تو شکست کھائی

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖٓ اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ

اے ایماندارو! مشرکین تو نرے نجس ہیں تو اب وہ اس سال کے بعد مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے پاس پھر نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو تو عنقریب ہی خدا تم کو اگر چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیگا۔ بیشک خدا بڑا واقف کار اور حکمت والا ہے"

امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (جلد ۴ صفحہ ۴۱۳ مطبوعہ مصر)

المسئلۃ الثانیۃ۔ قال الاکثرون لفظ المشرکین یتناول عبدۃ الاوثان وقال قوم بل یتناول

دوسرا مسئلہ۔ اکثر حضرات نے کہا ہے کہ مشرکین کی لفظ بت پرستوں کو مشتمل ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے" بلکہ تمام

جمیع الکفار وقد سبقت ھذہ المسئلۃ وصححنا ھذا القول بالدلائل الکثیرۃ والذی یفید ھٰھنا التمسک بقولہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء ومعلوم انہ باطل المسئلۃ الثالثۃ قال صاحب الکشاف النجس مصدر نجس نجساً وقذر قذراً ومعناہ ذو نجس وقال اللیث النجس الشیء القذر من الناس ومن کل شیء ورجل نجس وقوم انجاس ولغۃ اخری رجل نجس وقوم نجس وفلان نجس ورجل نجس وامرأۃ نجس واختلفوا فی تفسیر کون المشرک نجساً نقل صاحب الکشاف عن ابن عباس ان اعیانھم نجسۃ کالکلاب والخنازیر وعن الحسن من صافح مشرکاً توضأ وھذا ھو قول الھادی من ائمۃ الزیدیۃ واما الفقھاء فقد اتفقوا علی طھارۃ ابدانھم و اعلم ان ظاھر القرآن یدل علی کونھم انجاساً فلا یرجع عنہ الا بدلیل منفصل ولا یمکن ادعاء الاجماع فیہ لما بینا ان الاختلاف فیہ حاصل واحتج القاضی علی طھارتھم بما روی ان النبی صلعم شرب من اوانیھم وایضاً لو کان ھبۃ نجساً لما تبدل ذالک بسبب الاسلام والقائلون بالقول الاول اجابوا عنہ بان القرآن اقوی من خبر الواحد وایضاً فتقدیر صحۃ الخبر یجب ان یحمل استعمال من اوانیھم کان متقدماً علی نزول ھذہ الآیۃ وبیانہ من وجھین الاول ان ھذہ السورۃ من آخر ما نزل من القرآن وایضاً کانت المخالطۃ مع الکفار جائزۃ فحرمھا اللہ تعالیٰ وکانت المعاھدات

کفار کو مشتمل ہے" اور یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے اور ہم نے اسکی قولی کو بہت سی دلیلوں سے ثابت کیا ہے اس موقع پر خدا کے قول ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء سے تمسک کرنا فائدہ مند ہے مگر معلوم ہے کہ یہ باطل ہے۔ تیسرا مسئلہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ النجس نجس نجساً یعنی قذر قذراً کا مصدر ہے اور اسکا معنی نجاست والا ہے۔ اور لیث نے کہا ہے کہ نجس انسان اور ہر شے کی گندی چیز ہے اور لفظ نجس کا اطلاق واحد اور جمع اور مذکر و مونث پر یکساں ہوتا ہے۔ اور مشرک کے نجس ہونے کی تفسیر میں اختلاف ہے صاحب کشاف نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وہ کتے اور سور کیطرح نجس العین ہیں۔ اور حسن سے مروی ہے کہ جو مشرک سے مصافحہ کرے وہ وضو کرے اور یہی زیدیہ کے اماموں میں سے ہادی کا قول ہے لیکن فقہا ان کے بدن کی طہارت پر متفق ہیں۔ اور جاننا چاہیئے کہ ظاہر قرآن انکے نجس ہونے پر دلالت کرتا ہے لہذا اس سے بازگشت کسی جداگانہ دلیل کے بغیر نہ ہو گی اور اس پر اجماع کا دعویٰ ممکن نہیں۔ کیونکہ ہم نے واضح کر دیا کہ اسمیں اختلاف موجود ہے اور قاضی نے انکی طہارت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان برتنوں سے پانی پینے والی روایت سے حجت قائم کی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر اسکا جسم نجس ہوگا تو اسلام کے ذریعہ سے کیسے تبدیل ہو جائیگا اور قول اول کے قائلین نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ قرآن خبر واحد سے کہیں زیادہ قوی ہے۔ اور بالفرض اگر خبر کو صحیح مان لیا جائے تو ضروری ہے کہ انکے برتنوں سے پینے کی حلت اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رہی ہو۔ اور یہ دو دلیلوں سے واضح ہے اول یہ کہ یہ سورۃ سب کے آخر میں نازل

maablib.org

معهم وحاسلة فان الها الله فلا يبعد ان يقال
ايضا الشراب من اوانيهم كان جائزة نحى مه الله
تعالى الثانى ان الاصل حل الشراب من اى اناء
كان فلو قلنا انه حرام بحكم الاية ثم حل بحكم الخبر
فقد حصل نسخان اما اذا قلنا انه كان حلالاً
بحكم الاصل والرسول شرب من آنيتهم بحكم
الاصل ثم جاء التحريم بحكم هذه الآية لم يحصل
النسخ الا مرة واحدة فوجب ان يكون هذا اولى
اما قول القاضى لو كان الكافر نجس الجسم لما تبدلت
النجاسة بالطهارة بسبب الاسلام فجوابه انه
قياس فى معارضة النص الصريح ايضا فان
اصحاب هذا المذهب يقولون ان الكافر
اذا اسلم وجب عليه الاغتسال لازالة النجاسة
الحاصلة بحكم الكفر فهذا تقرير هذا القول واما
جمهور الفقهاء فانهم حكموا بكون الكافر طاهراً
فى جسمه ثم اختلفوا فى تاويل هذه الاية على وجوه
الاول قال ابن عباس وقتادة معناه انهم لا
يغتسلون من الجنابة ولا يتوضؤن من الحدث
والثانى المراد انهم بمنزلة الشخص النجس
فى وجوب النفرة عنه الثالث ان كفرهم الذى
هو صفتهم بمنزلة النجاسة الملتصقة بالشىء
واعلم ان كل هذه الوجوه عدول عن الظاهر بغير
دليل - المسئلة الرابعة قال ابو حنيفة واصحابه
اعضاء المحدث نجسة نجاسة حكمية وبنوا عليه
ان الماء المستعمل فى الوضوء والجنابة نجس ثم
روى ابو يوسف رحمه الله تعالى انه نجس نجاسة

ہوئی ہے پہلے کفار سے میل جول جائز تھا پس اسکو خدا نے
حرام کر دیا اور ان سے معاہدات تھے انکو خدا نے ختم کر دیا
پس بعید نہیں کہ یہ کہا جائے کہ ان برتنوں سے پہلے پینا
جائز تھا پھر خدا نے اسکو حرام کر دیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ
کسی بھی برتن سے پینے کی حلت اصل ہے پس اگر ہم یہ کہیں
کہ وہ آیت کے حکم سے حرام کیا گیا۔ اس کے بعد خبر کے حکم سے
حلال ہو گیا تو دو نسخ حاصل ہو جائیں گے لیکن جب ہم اسکے
قائل ہوں گے کہ وہ بحکم اصل حلال تھا اور رسول نے بحکم
اصل ان برتنوں سے پیا پھر اس کے بعد مذکورہ آیہ کے
حکم سے حرمت آگئی تو ایک نسخ حاصل ہوگا پس ایک نسخ کا
دو نسخ سے اولیٰ ہونا ظاہر ہے لیکن قاضی کا یہ کہنا کہ اگر کافر کا
جسم نجس ہوگا تو اسلام لانے سے نجاست طہارت سے کیسے
تبدیل ہوگی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ نص صریح کے مقابلہ میں
قیاس محض ہے علاوہ ازیں اس مذہب والے اسکے قائل ہیں کہ
کافر جب اسلام لائے تو حکم کفر سے جو نجاست حاصل ہے اسکے
دور کرنے کیلئے اس پر غسل کرنا واجب ہے یہ تو اس قول کا ثبوت
تھا لیکن جمہور فقہا نے کافر کے بدن کے پاک ہونے کا حکم کیا ہے
پھر اس آیہ کی تاویل میں چند طرح پر اختلاف کیا ہے۔ پہلی وجہ
ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کفار
نہ جنابت سے غسل کرتے ہیں اور نہ وضو کرتے ہیں۔ دوسری وجہ
مراد یہ ہے کہ نفرت کے واجب ہونے میں وہ کفار نجس شخص کی
حیثیت رکھتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کا وہ کفر جو انکی صفت
ہے اس نجاست کیطرح ہے جو کسی چیز کو چمٹ گئی ہو۔ اسکے بعد
امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام وجہیں بغیر کسی دلیل کے ظاہر
سے ہٹ جانے کے مرادف ہیں۔ چوتھا مسئلہ ابو حنیفہ اور انکے
اصحاب نے کہا ہے کہ محدث کے اعضا حکماً نجس ہیں اسی بنیاد پر

حقيقة وروى الحسن ابن زياد انه نجس نجاسة غليظة و
روى محمد بن الحسن ان ذلك الماء طاهر واعلم ان
قوله تعالى انما المشركون نجس يدل على فساد هذا القول
لان كلمة انما للحصر وهذا يقتضى ان لا نجس الا
المشرك فالقول بان اعضاء المحدث نجسة مخالف
لهذا النص والعجب ان هذا النص صريح فى ان المشرك
نجس وفى ان المؤمن ليس بنجس ثم ان قوما قلبوا القضية
وقالوا المشرك طاهر والمؤمن حال كونه محدثا او جنبا
نجس وزعموا ان المياه التى استعملها المشركون فى
اعضائهم بقيت طاهرة مطهرة والمياه التى يستعملها
اكابر الانبياء فى اعضائهم نجسة نجاسة غليظة
وهذا من العجائب ؛

کہا ہے کہ جو پانی وضو اور جنابت میں استعمال ہوتا ہے وہ نجس ہوتا ہے
پھر ابو یوسف نے یہ روایت کی ہے کہ وہ حقیقۃً نجس ہے اور حسن
بن زیاد نے روایت کی ہے کہ وہ نہایت درجہ نجس ہے اور محمد بن الحسن
نے یہ روایت کی ہے کہ وہ پانی پاک ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قول خدا
انما المشرکون نجس اس قول کے فاسد ہونے پر دلالت کرتا ہے
چونکہ کلمہ انما حصر کیلئے ہے اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ فقط مشرک
نجس ہے پس محدث کے اعضا کو نجس کہنا اس نص کے مخالف ہے
اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ نص صریح ہے کہ مشرک نجس ہے اور
مومن نجس نہیں مگر قوم نے قضیہ ہی الٹ دیا اور کہا کہ مشرک پاک ہے
اور مومن محدث یا مجنب ہونے کی صورت میں نجس ہے اور یہ گمان
کیا ہے کہ وہ پانی جسکو مشرکین نے اپنے اعضا کے دھونے میں استعمال
کیا ہے طاہر اور مطہر رہیگا۔ اور وہ پانی جسکو اکابر انبیاء نے اپنے اعضاء
کے دھونے میں استعمال کیا ہے وہ نہایت درجہ نجس ہوگا۔ اور یہ
عجائبات میں سے ہے ؛

اس مفصل تحریر سے ثابت ہوا کہ مشرکین کے اجسام نجس ہیں۔ اور تمام کفار بھی اسی حکم میں ان کے شریک ہیں۔ اور ان کی
نجاست پر یہ آیت نص صریح ہے جب تک ایسی ہی کوئی دلیل نہ مل جائے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ نیز جن
لوگوں نے اجسام مشرکین کی طہارت کا قول اختیار کیا ہے۔ ان کے تمام دلائل نسج عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں اور جتنی
دلیلیں آیہ مبارکہ کی فقہائے ملت نے اس غرض سے کی ہیں کہ ان کا قول درست ثابت ہو جائے وہ سب کی سب
دلیل سے خالی اور قیاس پر مبنی ہیں جو نص صریح قرآنی کا معارض بنایا گیا ہے۔ پس امام رازی کی یہ تحریر نجاست مشرکین
ثابت اور ان کے مخالف اقوال کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے ہم کو اس کے بعد قائلین طہارت کے مقابلہ میں
زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں۔ فقط ایک روایت سیرۃ ابن ہشام سے نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے
ثابت ہوتا ہے کہ ازواج رسولؐ کے نزدیک مشرکین کی نجاست کا مسئلہ حد ثبوت کو پہونچا ہوا تھا۔ اور اس سختی سے
اس پر عمل کیا جاتا تھا کہ ام المومنین ام حبیبہ نے اپنے باپ ابو سفیان کے ساتھ بھی باوجود اس کے کہ وہ بطور مہمان کے
ان کے پاس آئے کوئی رعایت و مروت روا نہ رکھی۔ وہ روایت یہ ہے :۔

فخرج ابو سفيان حتى قدم على رسول الله صلعم المدينة
فدخل على ابنته ام حبيبة بنت ابى سفيان فلما ذهب

"ابو سفیان مکہ سے روانہ ہو کر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ
آیا۔ جب اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسولؐ کے پاس گیا اور چاہا کہ

لیجلس علی فراش رسول اللہ صلعم طوتہ عنہ فقال یا بنیۃ ما ادری ارغبت بی عن ھذا الفراش ام رغبت بہ عنی قالت بل ھو فراش رسول اللہ صلعم وانت رجل مشرک نجس ولم احب ان تجلس علی فراش رسول اللہ صلعم قال واللہ لقد اصابک یا بنیۃ بعدی شر (انتہی بقدر الحاجۃ)

(سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد جلد ۲ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۸)

پیغمبر کے بستر پر بیٹھے تو ام حبیبہ نے اس بستر کو لپیٹ دیا ابوسفیان نے کہا کہ بیٹی میں نہیں سمجھ سکا کہ تم نے اس بستر سے لاپرواہی کی ہے یا مجھ سے بے التفاتی کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ ایک مشرک اور نجس انسان ہیں۔ میں پسند نہیں کرتی کہ بستر رسولؐ پر آپ تشریف رکھیں۔ ابوسفیان نے کہا بخدا مجھ سے چھوٹنے کے بعد تجھ میں شر آگیا۔ الخ

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۲۹ توبہ

"اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ (دل سے) خدا ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ خدا اور اس کے رسولؐ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ سچے دین ہی کو اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ وہ لوگ ذلیل ہو کر (اپنے) ہاتھ سے جزیہ دیں۔"

(۱) ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اقوال کی بنا پر مجوس بھی اہل کتاب میں داخل ہیں اس لئے کہ خدا نے اُن کی طرف بھی ایک صاحب کتاب کو مبعوث کیا تھا جن کو اون لوگوں نے قتل کر دیا۔

(۲) علل الشرائع وغیرہ میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے:-

انہ سئل عن النساء کیف سقطت الجزیۃ ورفعت عنھن فقال لان رسول اللہ نھی عن قتل النساء والولدان فی دار الحرب الا ان تقاتل وان قاتلت ایضا فامسک عنھا ما امکنک ولم تخف خللا فلما نھی عن قتلھن فی دار الحرب کان ذلک فی دار الاسلام اولی ولو امتنعت ان تؤدی الجزیۃ لم یمکن قتلھا فلما لم یمکن قتلھا رفعت الجزیۃ عنھا ولو امتنع الرجال والولدان ان یؤدوا الجزیۃ کانوا ناقضین للعہد وحلت دماؤھم وقتلھم لان قتل الرجال مباح فی دار الشرک وکذلک المقعد من اہل الشرک والذمۃ والاعمی والشیخ الفانی والمرأۃ والولدان فی ارض الحرب ومن اجل ذلک رفعت عنھم الجزیۃ۔

"آپ سے دریافت کیا گیا کہ عورتوں سے جزیہ کیوں ساقط ہوا اور کیسے ہٹا تو آپ نے فرمایا چونکہ رسول اللہؐ نے دار الحرب میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ خود قتال پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ایسا کریں تو بھی تا امکان ان سے جنگ نہ کرنا۔ پس جب پیغمبرؐ نے دار الحرب میں ان کے قتل کرنے سے روک دیا تو دار الاسلام میں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور اگر وہ (عورتیں) جزیہ نہ دیں تو ان کا قتل کرنا ممکن نہیں پس جب ان کا قتل ممکن ہی نہیں تو ان سے جزیہ بھی برطرف ہو گیا، اور اگر مرد باز رہیں اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں تو وہ عہد شکن ہو جائیں گے اور انکا قتل کرنا حلال ہو جائیگا۔ کیونکہ دار الشرک میں مردوں کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح ارض الحرب میں اہل شرک کے اپاہج اور اہل ذمہ کے اپاہج اور نابینا اور بہت بوڑھے مرد اور دار الحرب کی عورت سے قتال نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے ان سے جزیہ برطرف کر دیا گیا ہے۔"

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام نے اپنے پیروؤں کو اسکی اجازت نہیں دی ہے کہ اپنے مذہب کی محبت و غلبہ کے جوش میں حد اعتدال سے باہر ہو جائیں اور ایسے تشدد دیگر مذاہب والوں پر کر گذریں جو قانون عدل اور انسانی ہمدردی کے خلاف ہیں۔ اور یہ احکام اس عہد میں نافذ کئے گئے تھے جس میں عالم قواعد عدل و انصاف سے بالکل ناآشنا تھا۔ مذہب کی محبت اور اغراض نفسانی کے جنون میں ہر قسم کے وحشیانہ ظلم و جور روا سمجھتے تھے، عرب کے جاہل خونخوار اقوام کا تو ذکر ہی کیا رومیوں کی تواریخ بھی ایسے افسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔ جو اس عہد کی سب سے بڑی اور مہذب و متمدن قوم تھی۔ لہٰذا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ عدل و انصاف اور احترام نوع انسانی کا آفتاب افق اسلام ہی سے طالع ہوا اور اسی کی شعاعوں سے عالم میں نور تہذیب پھیلا۔

(۳) اگرچہ شریعت اسلام نے اہل کتاب کو جزیہ دینے پر مجبور کیا اور اسی طرح بظاہر انکو اہل اسلام کے سامنے جھکنا پڑا۔ لیکن درحقیقت اسکے عوض میں وہ تمام حقوق ان کو عطا کئے گئے جو دنیا کی متمدن و مہذب قوم اپنی مخالف قوم کو دے سکتی ہے اہل کتاب کے ذمے جس رقم کا ادا کرنا لازم قرار دیا گیا اسکو خراج کہو یا جزیہ باہر صورت وہ بمنزلہ اس خراج کے ہے جو زکوٰۃ و خمس کے نام سے مسلمانوں پر عائد کیا گیا ہے اور اس کے بدلے مسلمانوں نے ان کے جان و مال کے تحفظ کی شرط اسی طرح اپنے ذمہ لی جسطرح وہ مسلمانوں کا ذمہ دار رکھتے اور انکو تمام مذہبی و قومی رسوم کو عمل میں لانے کی آزادی عطا کی، البتہ یہ شرط لگا دی کہ مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں اور ان افعال کا بالاعلان ارتکاب نہ کریں جو قوانین الہیہ کی رو سے مسلمانوں کے لئے ممنوع یا حرام قرار دئے گئے مثلاً شراب خواری و زناکاری وغیرہ وغیرہ اور مقتضائے حکمت و سیاست یہی تھا کہ ان کو ایسے افعال قبیحہ کے اعلان کی اجازت نہ دیجاتی کیونکہ ان سے عامہ ناس کے اخلاق پر خراب اثر پڑتا اور مسلمانوں کو روحانی اذیت ہوتی، بالجملہ چند مخصوص قیود و شرائط کے سوا دیگر مناسب حقوق میں خلل اندازی نہیں کی گئی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا برتاؤ کریں اور رسم جزیہ کے سوا انکے اموال پر دست درازی حرام ہے۔ چنانچہ جب امام باقر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ اہل ذمہ سے مال اور مویشی کا علاوہ جزیہ کے لینا بھی

جائز ہے۔؟ تو ارشاد ہوا کہ "نہیں" نیز ایک دفعہ کسی قریہ کے مجوسیوں نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں کسی عامل کے سخت برتاؤ کی شکایت کی تو آپ نے اسکے نام یہ فرمان جاری فرمایا۔

اما بعد فان دهاقين اهل بلدك شكوا منك قسوة وغلظة واحتقارا وجفوة ونظرت فلم ارهم اهلا لان يدنوا لشركهم ولا لان يقصوا لعهدهم فالبس لهم جلبابا من اللين تشوبه بطرف من الشدة وداول لهم بين القسوة والرأفة وامزج لهم بين التقريب والادناء والابعاد والاقصاء انشاء الله (نہج البلاغۃ)

امابعد تیرے شہر کے زمین داروں نے تیری تندخوئی، سنگدلی لوگوں کو ذلیل کرنے اور ظلم کرنے کی شکایت کی ہے۔ میں نے غور کیا تو انکو ان کے مشرک ہونیکی وجہ سے اسکا اہل نہ پایا کہ وہ تیرے مقرب بنیں۔ اور مسلمانوں سے ہم عہد ہونے کی وجہ سے یہ بھی نامناسب ہے کہ ان کو دور رکھا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے انکے لئے سختی سے ملی ہوئی نرمی کو شعار کر لے اور ان کے لئے سنگدلی اور نرمی کی درمیانی راہ اختیار کر اور ان کی نزدیکی اور دوری کو ملا جلا کر رکھ (نہج البلاغۃ مکتوب ع۱۹)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت نے فوج روانہ کی تو جن جن مواضع سے وہ گذرنے والی تھی وہاں کے عاملوں کو یہ خط تحریر فرمایا۔

من عبد الله علي امير المؤمنين الى من مر به الجيش من جباة الخراج وعمال البلاد اما بعد فاني قد سيرت جنودا هي مارة بكم انشاء الله وقد اوصيتهم بما يجب لله عليهم من كف الاذى وصرف الشذى وانا ابرء اليكم والى ذمتكم من معرة الجيش الا من جوعة المضطر لا يجد عنها مذهبا الى شبعه فنكلوا من تناول منهم ظلما عن ظلمهم وكفوا ايدي سفهائكم عن مضارتهم والتعرض لهم فيما استثنينا منهم وانا بين اظهر الجيش فارفعوا الى مظالمكم وما عراكم مما يغلبكم من امرهم ولا تطيقون دفعه الا بالله وبي اغيره بمعونة الله ان شاء الله تعالى (نہج البلاغہ)

بندہ خدا علی امیرالمومنین کی طرف سے ان تحصیلداروں اور حکمرانوں کے نام جن کے پاس سے لشکر گذرے گا۔ امابعد میں نے ایک لشکر روانہ کیا ہے جو انشاء اللہ تمہارے پاس سے گذریگا۔ اس آزار رسانی اور برائی سے منہ موڑنے کی انکو وصیت کر دی ہے جو ان پر اللہ کیلئے واجب ہے۔ اور میں لشکریوں کو اس زیادتی کو جو تمہارے اہل ذمہ کیطرف ہوگی ناپسند کرتا ہوں باستثناء اس زیادتی کے کہ جو لاچاری کی بھوک سے ہو جبکہ اس بھوکے کو سیری کی کوئی راہ نہ ملے پس جو ان میں سے ظلم اختیار کریں انکو ظلم سے روکو اور اپنے بیوقوفوں کو اس زیادتی میں جسکو میں نے مستثنیٰ کر دیا ہے تعرض کرنے اور مداخلت کرنے سے روکو اور میں فوج کی پشت پر موجود ہوں۔ پس اپنی فریادیں اور سختیاں جنکا تم تدارک نہیں کر سکتے مگر خدا اور میرے ذریعہ سے۔ انکو مجھسے بیان کرو تاکہ میں خدا کی مدد سے اسکی اصلاح کر دوں۔ (نہج البلاغۃ مکتوب ع۶۰)

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

"ان لوگوں نے تو اپنے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور اپنے زاہدوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو اپنا پروردگار بنا ڈالا ہے۔ حالانکہ انہیں سوا اس کے اور حکم ہی نہیں دیا گیا کہ خدائے یکتا کی عبادت کریں۔ اس کے سوا (احد) کوئی قابل پرستش نہیں۔ جس چیز کو یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔"

اس آیت کے متعلق صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے:۔

اما والله ما دعوهم الى عبادة انفسهم ولو دعوهم الى عبادة انفسهم لما اجابوهم ولكن احلوا لهم حراما وحرموا عليهم حلالا۔

"خدا کی قسم اُن (احبار و رہبان) نے ان کو اپنی ذوات کی عبادت کی طرف دعوت نہیں دی اور اگر وہ اپنی پرستش کی دعوت دیتے تو یہ لوگ قبول بھی نہ کرتے لیکن انہوں نے ان کے فائدہ کے لئے حرام کو حلال کر دیا اور حلال کو ان پر حرام کر دیا۔"

اس کلام معصوم سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں احبار و رہبان کو ارباب بنانے سے مقصود یہ ہے کہ اون لوگوں نے احکام الٰہیہ کے مقابلہ میں اون کے احکام پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی مرضی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا۔ اور لوگ جہل کے سبب اون کی بیعت و اطاعت کرنے لگے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے (پھونک مارکر) خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اس کے سوا اور کچھ مانتا ہی نہیں کہ اپنے نور کو پورا کر ہی کے رہے۔ اگرچہ کفار برا مانا کریں۔"

"نور اللہ" سے مراد دین اسلام ہے جس کی بنیاد دو باتوں پر قائم کی گئی ہے ایک تعظیم و اطاعت خالق۔

دوسری محبت دنیا سے نفس کو پاک کر کے سعادت آخرت کی طرف راغب ہونا۔ اور اس کے لئے وہ قوانین معین کر گئے ہیں جو فطرت انسانی کے سراسر مطابق ہیں۔ اور جس سے نہایت سہولت و آسانی کے ساتھ نفس انسانی حقیقی معنوں میں جوہر قدسی بن سکتا ہے۔ چونکہ یہ دین مادیت و حیوانیت کی نہایت خوفناک تاریکیوں میں پڑے ہوئے نفوس کو عالم انوار قدسیہ کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اس کی تعلیمات خود اس کی حقیقت کے روشن دلائل ہیں۔ اس لئے اس کو خداوند عالم نے اپنے نور سے تعبیر کیا اور محصل آیت یہ ہے کہ مخالفین اسلام چاہتے ہیں۔ کہ اپنے رکیک و ضعیف شبہات سے اس دین کو مٹا دیں۔ حالانکہ ان کی اس سعی لاحاصل سے اوس کے فروغ میں کمی نہیں ہو سکتی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

"وہی تو (وہ خدا) ہے جس نے اپنے رسولؐ (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ (مبعوث کر کے) بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین برا مانا کریں۔"

یہ آیتیں کلام مجید میں کئی جگہ وارد ہوئی ہیں اور مقصود اس تکرار سے یہی ہے کہ اسلام کے دشمن اس کے مٹانے کی جو بے سود کوششوں میں لگے ہوئے ہیں ان کا عبث ہونا اچھی طرح واضح کر دیا جائے اور جتا دیا جائے کہ یہ دین کامل کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک دن تمام ادیان عالم کو مٹا کے رہے گا۔ اور اگرچہ یہ وعدۂ الٰہی ابتک پورا نہیں ہوا لیکن ایک روز ایسا آنے والا ہے جس میں حق کے سوا شر کا صفحۂ ہستی پر وجود نہ رہے گا۔ اور نور الٰہی تمام ظلمتوں کو برطرف کر دے گا۔ اور وہ دن وہی ہوگا۔ جس میں جناب عیسیٰ آسمان سے اتریں گے اور مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوگا جیسا کہ ان اقوال و روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

والله متم نوره والتمام لا یکون الا عند النقصان فکیف نقصان هذا النور فنقول اتمامه بحسب النقصان فی الاثر وهو الظهور فی سائر البلاد من المشارق الی المغارب اذا الظهور لا یظهر الا بالاظهار وهو الاتمام ونوید ه قوله تعالی الیوم اکملت لکم دینکم وعن ابی هریرة ان ذلک عند نزول عیسی من السماء قال مجاهد۔

"واللہ متم نورہ۔ (اور اللہ اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے) اور تمام نقصان کے وقت ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس نور کے نقصان کی کیا کیفیت ہوگی پس ہم کہیں گے کہ اس کا اتمام نقصان اثری کی بنا پر ہے اور وہ مشارق سے لیکر مغارب تک تمام ممالک میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ظہور بغیر اظہار کے نہ ہوگا اور اسی کو اتمام کہتے ہیں اس کا مؤید قول باری تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم ہے اور ابوہریرہ سے مروی ہے کہ یہ امر حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نازل ہونے پر ہوگا۔ اسے مجاہد نے کہا ہے۔"

(تفسیر سورۂ صف جلد ۸ صفحہ ۱۹۸)

(۲) عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلعم لا تذهب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی رواه الترمذی وابو داود وفی روایة له قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول الله ذلک الیوم حتی یبعث الله فیه رجلا منی او من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا۔

(ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۲)

"ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک فنا نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص عرب کا بادشاہ نہ ہو لے وہ میرا ہمنام ہے اس کو ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر دنیا میں سے ایک روز بھی باقی رہا تو خدا اس کو طویل کر دے گا یہانتک کہ اس میں خدا میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائیگا جو میرا ہمنام ہوگا۔ اور اس کا باپ میرے باپ کا ہمنام ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے پُر کر دے گا۔ جیسی کہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔"

(۳) عن ابی سعید قال ذکر رسول الله صلعم بلاء یصیب هذه الامة حتی لا یجد الرجل ملجأ یلجأ الیه من الظلم فیبعث الله رجلا من عترتی واهل بیتی فیملأ به الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا یرضی عنه ساکن السماء وساکن الارض لا تدع السماء من قطرها شیئا الا صبته مدرارا ولا تدع الارض من نباتها شیئا الا اخرجته۔

(ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۲)

"ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ذکر فرمایا کہ اس امت کو ایک بلا (آزمائش) پہونچے گی۔ یہانتک کہ کوئی شخص جائے پناہ نہ پائے گا کہ ظلم سے جہاں پناہ لے پس خدا میرے اہلبیت اور عترت میں سے ایک شخص کو مبعوث فرمائے گا۔ اور اس کے ذریعہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسی کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ زمین و آسمان کے ساکن اس سے خوش ہونگے آسمان اپنی تمام بارشیں برسا دے گا۔ اور زمین اپنی تمام نباتات اگا دے گی۔"

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ

جُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

"جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں گرم (اور لال) کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے [illegible] وہ ہے جسے تم نے اپنے لئے (دنیا میں) جمع کر کے رکھا تھا تو (اب) اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو"

"لاینفقونها فی سبیل اللہ" کی قید یہ ثابت کرتی ہے کہ مال کا جمع کرنا اسی وقت مذموم اور باعث عقاب اخروی ہوگا جبکہ اس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو (مذموم اور) موجب عذاب آخرت نہ ہوگا

جیسا کہ امالی شیخ میں مروی ہے:—

لما نزلت هذه الآية قال رسول اللہ صلعم کل مال تؤدی زکوته فلیس بکنز وان کانت تحت سبع ارضین وکل مالا تؤدی زکوته فهو کنز وان کان فوق الارض —

"جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز (خزانہ) نہیں ہے خواہ وہ سات زمینوں کے نیچے (مدفون) ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز (خزانہ) ہے خواہ وہ زمین کے اوپر ہو"

نیز دوسری حدیث میں ہے:—

من ادی ما فرض اللہ علیه فقد قضی ما علیه وادی شکر ما انعم اللہ علیه فی ماله —

"جس شخص نے خدا کا فرض کیا ہوا مال (زکوٰۃ) ادا کر دیا ہو پس اس نے اپنے فریضہ کو ادا کر دیا اور خدا نے اس پر جو انعام بذریعہ مال کیا ہے اس کا شکریہ ادا کر دیا"

لیکن بعد ادائے حقوق واجبہ مال کا جمع رکھنا ممدوح اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس سے امور اخرویہ کی تحصیل مقصود ہو ورنہ فقط مباح ہوگا مستحسن و ممدوح قرار نہیں پا سکتا۔ یہ ایک ضابطہ کلیہ سمجھنا چاہئے کہ تمام مباح چیزیں شریعت کی نظر میں اس وقت قابل مدح و تحسین بن جاتی ہیں جبکہ ان سے فلاح آخرت کا قصد کیا جائے اور سعادت اخروی کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنائے جائیں۔ اسی طرح اگر نیت بخیر اور اصلاح آخرت مدنظر ہو تو انسان کے جملہ مباح حرکات و سکنات مستحسن اور عین طاعت و عبادت قرار پائیں گے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

"اس میں تو شک ہی نہیں کہ خدا نے جس دن [illegible] و آسمان کو پیدا کیا (اسی دن) سے خدا کے نزدیک خدا کی کتاب لوح محفوظ میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ ان میں سے چار مہینے (ادب و) حرمت کے ہیں۔ یہی دین سیدھی راہ ہے تو ان چار مہینوں میں اپنے اوپر (کشت و خون کر کے) ظلم نہ کرو اور مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو اور یہ جان لو کہ خدا تو یقیناً پرہیزگاروں کے ساتھ ہے"

اس آیت کے متعلق چند باتوں کا مفصل تحریر کرنا ضروری ہے۔

(اول) کفار عرب نے خداوند عالم کے اون احکام کو جو سال اور مہینوں سے متعلق تھے اور جناب ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے توسط سے نافذ کئے گئے تھے دو طرح متغیر کر دیا تھا۔

ایک تو یہ کہ قمری سال شمسی سال سے کسی قدر کم ہوتا ہے اور اسی کمی کی وجہ سے قمری مہینے ایک فصل سے دوسری فصل کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک ہی مہینہ کبھی جاڑے میں واقع ہوتا ہے اور کبھی گرمی میں۔ لہذا حج کیلئے جو مہینہ ذی الحجہ کا خدا کی طرف سے معین کیا گیا تھا وہ مختلف فصلوں میں واقع ہوا کرتا تھا اور اس سے کفار عرب خسارے میں رہا کرتے تھے، کیونکہ انھوں نے دستور رائج کر لیا تھا کہ ایام حج میں بازار تجارت گرم کر کے دنیاوی منافع بھی خوب حاصل کئے جاویں۔ پس جب ایام حج ایسے زمانہ اور ایسی فصل میں واقع ہوتے کہ سفر دشوار ہوتا اور اطراف بلاد سے اسباب تجارت کا لانا ممکن نہ ہوتا تو بازار سرد پڑ جاتا۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے یہ تدبیر سوچی کہ حج کے ایام شمسی حساب سے ایسی فصل میں مقرر کئے جائیں جو تجارت کے لئے مناسب و موافق ہو اور ہم خرما و ہم ثواب کی مثل صادق آئے چونکہ شمسی مہینے ایک فصل معین میں واقع ہوا کرتے ہیں لہذا کساد بازاری کا اتفاق کبھی نہ ہوگا۔

دوسرا تغیر حکم الٰہی میں یہ کیا تھا کہ جب شمسی حساب کو رائج کیا تو اس کے سال کی جتنی مقدار قمری سال سے زائد نکلتی اس کو حساب میں جمع کرتے جاتے جس سال اس کی مقدار بقدر ایک مہینے کے ہو جاتی تو اس کو تیرہ مہینوں کا قرار دیتے تھے اور اس سے ان کو سود کے معاملہ میں بالخصوص کافی نفع ہوتا تھا۔ (جیسا کہ ہندوؤں کے یہاں ہندوستان میں اب بھی رائج ہے)

غرض شمسی و قمری حساب کے غلط بحث سے ایک صورت اپنے معقول منافع کی نکالی تھی - انھیں قبیح اعمال کی مذمت کے لئے خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ ظاہر فرمایا کہ اس نے جس دن آسمان و زمین کو خلق فرمایا اسی دن سال کے بارہ مہینے بھی مقرر و معین کر دیئے تھے، اور یہ طے کر دیا تھا کہ اون میں چار محترم مہینے ہوں گے لہٰذا اون میں کسی قسم کی تغییر و تبدیلی یا کمی و زیادتی کرنا احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اور تکلیفات شرعیہ کو اون مصالح سے خالی کر دینا ہے جو اُن کے نافذ کرنے سے مقصود ہیں اور اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ مہینوں کی تعداد اور اون میں سے چند کا محترم قرار پانا خدا کے فرمان سے وقوع میں آیا اور خلقت آسمان و زمین ہی کے دن مقدر ہو چکا تھا - اون بے بصیرت لوگوں کے خیال کو باطل کر دیا جو یہ سمجھتے ہیں کہ قمری حساب خود اہل عرب نے جاری کیا تھا - چونکہ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اور ساتھ ہی اون کے عام طور سے آپس کی لڑائیوں اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا اس لئے اون کے اہل تدبر نے دنیوی مصلحت سے چار مہینے محترم قرار دے دیئے تاکہ عرب کی قومیں قافلوں کے لوٹنے اور آپس میں لڑائی جھگڑوں سے باز رہیں - اور امن و اطمینان سے تجارتی کاروبار میں مصروف ہو سکیں -

(دوم) یہ معلوم ہو گیا کہ سال کے چار مہینوں کو پروردگار عالم نے خود محترم قرار دیا ہے اور اس کی یہ مصلحت ہرگز نہیں کہ اقوام عرب لڑائی جھگڑوں سے باز رہ کر امن و اطمینان سے تجارت یا دیگر ذرائع سے دنیاوی منافع کے حاصل کرنے کا موقع پا سکے کیونکہ اون کی تبدیل و تغییر کو کفر اور نہایت مذموم فعل قرار دیا ہے پس اگر یہی غرض ہوتی کہ لوگ تجارت یا دیگر وسائل سے دنیاوی فوائد حاصل کریں تو اس تبدیلی میں بھی وہی غرض حاصل تھی - بلکہ زیادہ تر حاصل تھی اور در حقیقت اس تبدیلی کا منشا بھی وہی تھا - کہ محترم مہینوں کے نامناسب فصل میں واقع ہو جانے سے جو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے اس کا انسداد کیا جائے - لہٰذا اس قدر تہدید و تخویف کی کچھ ضرورت نہ تھی - علاوہ اس کے تجارت یا دیگر وسائل سے محض دنیاوی فوائد کی تحصیل کسی زمانہ میں حرمت و عظمت پیدا ہو جانے کا سبب نہیں ہو سکتی اور نہ شریعت کی نگاہ میں دنیا کے متاع غرور کی اتنی وقعت ہو سکتی ہے کہ جن مہینوں میں اہل دنیا اون کے کسب میں مشغول ہوں وہ قابل احترام قرار دیئے جائیں - اس امر کا بعید از عقل ہونا اتنا بدیہی ہے کہ کوئی عاقل اس کے اقرار کی جرأت نہیں کر سکتا - اور اگر ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے غرض مذکور کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے انکار کرنا غیر ممکن ہوگا کہ اس صورت میں ان مہینوں کا احترام فقط اقوام عرب کے لئے لازم کرنا چاہیئے تھا - جن کو رات دن کی جنگ و پیکار سے کسب معاش کی مہلت امن و سکون کے ساتھ نہیں ملتی تھی - ساری دنیا کے لئے قابل احترام قرار دینا محض عبث تھا - حالانکہ آیت کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ چار مہینوں کو محترم قرار دینے میں کسی ملک و قوم کی تخصیص نہیں کی گئی ہے پس غرض مذکور کو سال کے چار مہینوں کے محترم قرار دیئے جانے کی علت سمجھنا محض نادانی ہے

در حقیقت اس کی مصلحت یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں ایسے ہی افراد کی کثرت تھی جن کی طبائع ہمیشہ کاموں سے

غافل اور شر و فساد کی طرف مائل تھیں - ایسے نفوس بہت ہی کم ہوتے ہیں جو ہر زمانہ میں طاعت و عبادت کی طرف یکساں میلان رکھتے ہوں اس لئے ضروری تھا کہ ایک زمانہ ایسا معین کر دیا جاتا جس میں دنیا کے تمام جھگڑوں سے الگ ہو کر غافل نفوس کو سعادت اخرویہ کے حاصل کرنے کا موقع ملتا اور شر و فساد ظلم و معصیت سے بچنے کی عادت پیدا ہو جاتی - ظاہر ہے کہ جو نفوس اتنے دنوں تک دنیا کی تمام برائیوں سے الگ ہو کر ریاضت و عبادت میں منہمک رہیں گے ان کو امور خیر کی رغبت اور شرور سے نفرت پیدا ہو جائے گی - خصوصاً اس تصور سے کہ اتنے دنوں تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے جو ریاضت و مشقت برداشت کی ہیں وہ آئندہ کی غفلت و بدکرداری سے رائگاں نہ ہو جائے -

علاوہ اس کے یہ امر ممکن ہے کہ بعض اوقات و مقامات کو یہ خصوصیت حاصل ہو کہ اون میں طاعت و عبادت دعا و استغفار طہارت نفس میں زیادہ تر ہو اور اسی طرح معاصی کا اون میں واقع ہونا خبث نفس میں زیادہ تاثیر رکھتا ہو - رسول عربی اور اون کے معصوم خلفا نے مخصوص ایام و اوقات میں روزہ و نماز وغیرہ اعمال خیر کی جتنی تاکید فرمائی ہے اور جس قدر کثیر ادعیہ و اذکار ان ایام و اوقات کے لئے عوام ناس کو تعلیم دیئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کو تزکیۂ نفس - طہارت قلب و اجابت دعوات میں خاص تاثیر حاصل ہے اگر اس کا یقین کامل حاصل کرنا مطلوب ہو تو ہر عاقل کا فرض ہے کہ معصومین کے تعلیم کئے ہوئے ادعیہ و اعمال کو دیکھے اور ان کی اہمیت پر غور کرے - اوس سے معلوم کر لے گا کہ تخصیص ایام و اوقات سے مقصود فقط روحانیت اور اخروی سعادت کا حاصل کرنا ہے - اور بس -

فلاسفۂ اسلام بھی اس کے قائل تھے کہ مخصوص اوقات و مقامات بھی طہارت نفس و اجابت دعا کے اسباب ہوتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ شیخ ابو سعید بن ابی الخیر نے رئیس الحکما بو علی بن سینا کے پاس یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ اجابت دعا کے اسباب کیا ہیں اور مقامات مقدسہ کی زیارت نفس انسانی میں کون سی تاثیر کرتی ہے؟ تو اوس کے جواب میں شیخ نے ایک مفصل تحریر لکھ بھیجی جو اس کے بعض حصے ظلمت مادیت میں پڑے ہوئے نفوس کے لئے شمع ہدایت بن سکتے ہیں اس لئے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ اون میں شیخ نے فقط مقامات مقدسہ کی تاثیر کو بیان کیا ہے لیکن اوقات معینہ کی تاثیر کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے -

مقامات مقدسہ میں دعا کی تاثیر

ثم اعلم ان النفوس البشریۃ تتفاوت بالشرف والعلم والکمال فانہ ربما ظہرت نفس من النفوس فی ھذا العالم نبویۃ کانت او غیرھا تبلغ فی الکمال والعلم والعمل بالفطرۃ او الاکتساب فی یسیر مضاھیا بالعقل الفعال حتی کانت ہو ھو

"جاننا چاہیئے کہ نفوس بشریہ شرف و علم و کمال میں کم و بیش ہوتے ہیں - پھر اکثر اس عالم میں کوئی نہ کوئی نفس (خواہ وہ صاحب نبوت ہو یا نہ ہو) ایسا ظاہر ہوتا رہتا ہے جو علم و عمل میں فطرۃً یا اکتساب کے ذریعہ سے کمال حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ عقل فعال کے مثل ہو جاتا ہے اگرچہ شرف و علم اور مرتبہ عقلیہ

فی الشرف والعلم والرتبة العقلية لانه علة وهي معلولة
والعلة اشرف من المعلول ثم اذا فارقت بدنها نقلت في
عالمها سعيدة ابد الآبدين مع اشباهها من العقول والنفوس
مؤثرة في هذا العالم تاثير العقول السماوية ثم الغرض
من الدعاء والزيارة ان النفوس الزائرة المتصلة بالبدن
الغير المفارقة عنها تستمد من تلك النفوس المزورة خيرا
او سعادة او دفع شر واذية فتنخرط كلها في سلك الاستعداد
والاستمداد لذلك المطلوب فلابد ان النفوس المزورة
لمناسبتها للعقول وتجوهرها بجواهرها يؤثر تاثيرا
عظيما وتمد امدادا تاما بحسب استعداد المستمد وللاستعداد
اسباب شتى تختلف بحسب اختلاف الاحوال وهي
اما جسمانية او نفسانية اما الجسمانية فمثل مزاج البدن
فانه اذا كان على حالة معتدلة في الطبيعة والفطرة فانه
يحدث فيه الروح الذي هي في تجاويف الدماغ وهو آلة
للنفس الناطقة فح يكون الفكرة والاستعداد على احسن ما يمكن
ان يكون ولاسيما اذا انضاف اليه قوة النفس وشرفها واما ايضاً
مثل المواضع التي يجتمع فيها ابدان الزوار والمزورين فانه
فيها يكون الاذهان اكثر صفوا والخواطر اشد جمعا والنفوس
احسن استعدادا كزيارة بيت الله تعالى واجتماع العقائد
انه موضع الذي يزدلف به الحضرة الربوبية ويتقرب به
الى الجهة المقدسة اللاهوتية وفيها حكم عجيب في خلاص النفوس
من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر واما النفسانية
فمثل الاعراض عن اتباع الدنيا وطيباتها والاجتناب عن
الشهوات واللذات والانصراف الفكر الى قدس الجبروت

میں اس سے کم رہے کیونکہ وہ (عقل فعال) علت ہے اور یہ (نفس)
معلول ہے اور علت معلول سے اشرف ہے۔ پھر جب وہ نفس
بدن سے جدا ہوتا ہے تو سعید بنکر اپنی جیسی عقول و نفوس کے ساتھ
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علت (عقل فعال) کی دنیا میں منتقل ہوتا ہے
اور عقول سماویہ کی مانند موثر بھی بنجاتا ہے پھر دعا اور زیارت کا مقصد
یہ ہے کہ بدن سے اتصال رکھنے والے اور اسکو نہ چھوڑنے والے
زیارت کرنے والے نفوس ان نفوس سے جن کی وہ زیارت کر رہے ہیں
خیریت یا سعادت میں مدد چاہیں یا شر و اذیت کو دفع کرائیں پس
اس مطلوب کے لئے سب کے سب امداد باہمی کی لڑی میں منسلک ہو
البتہ یہ بات ضروری ہے کہ وہ نفوس جن کی زیارت کیجاتی ہے
اپنی ذات میں عقول کا جوہر رکھنے اور ان سے مشابہت رکھنے
کی وجہ سے طالب امداد کی استعداد کے مطابق بڑے سے بڑا اور
کامل سے کامل اثر دکھاتے ہیں۔ اور طلب امداد کے مختلف اسباب
ہیں جو حالات کے اختلاف کی بنا پر مختلف ہوتے ہیں اور وہ
(حالات) یا جسمانیہ یا نفسانیہ۔ حالات جسمانیہ مثلاً مزاج جب
یہ طبیعت و فطرت میں معتدل حالت پر ہوگا تو اس میں وہ روح
پیدا ہو جائے گی جو دماغ کے خلیوں میں رہتی ہے اور جو نفس ناطقہ
کا آلہ ہے پس اس وقت میں غور و پرداخت اور طلب امداد
بطریقہ احسن حسب امکان ہو سکے گی خصوصاً اس وقت میں جبکہ
اس پر قوت اور شرف نفس کا اضافہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ مقامات
ہیں جہاں زائرین و مزورین کے اجسام مجتمع ہوتے ہیں ان مقامات
میں اذہان بہت صاف ہو جاتے ہیں۔ اور دل بہت مطمئن ہو جاتے ہیں
اور نفوس خوش استعداد ہو جاتے ہیں جیسے کہ بیت اللہ کی زیارت
اور عقیدوں کا ایسر متفق ہونا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے

والاستقامة بتشروق نور الله عز وجل في السر لا انكشاف
النعم المتصلة بالنفس الناطقة فهذا انا الله واياك الى
تخليص النفس من شوائب هذا المعرض انه لما يريد
خبير فعال۔

بارگاہ خداوندی میں پہنچ جائیں گے اور مقدس و لاہوتی سمت
سے قریب ہو جائیں گے۔ اور اس میں عذاب اکبر (اخروی)
سے پہلے عذاب ادنی (دنیاوی) سے گلو خلاصی کا عجیب
اثر ہے۔ اب رہے حالات نفسانیہ جیسے کہ دنیا اور اسکے
لذائذ کے طلب سے روگردانی کرنا اور موانع و عوائق دنیا سے پرہیز کرنا اور قوت فکریہ
کو جبروتی پاکیزگی کی طرف موڑ دینا اور نفس ناطقہ سے اتصال رکھنے والی تاریکیوں
کو اللہ کے نور کی باطنی چمک سے ہمیشہ دور کرتے رہنا۔ پس خدا ہم کو اور
تمکو اس معرض زوال (دنیا) کی آمیزش سے نفس کو صاف رکھنے کی ہدایت کرے
کیونکہ وہ اپنے ارادہ سے خبردار اور اس کو کر گذرنے والا ہے۔"

(سوم) "فلا تظلموا فیھن" میں ضمیر "اربعۃ حرم" کی طرف راجع ہے اور مقصود یہ ہے کہ تم کشت و خون
کر کے یا اور فسق و فجور کے مرتکب ہو کر ان مہینوں کی حرمت کو برباد نہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تم خود اپنے
نفوس پر ظلم کرو گے۔ اگرچہ ناحق خونریزی اور فسق و فجور اور مہینوں میں بھی حرام کئے گئے ہیں لیکن ان مہینوں
میں واقع کرنے سے ممانعت خصوصیت سے اسی لئے کی گئی ہے کہ ان کو سال کے باقی مہینوں پر حرمت و شرف
دیا گیا ہے لہذا ان میں کسی معصیت کا واقع کرنا نفس کے خبث و کثافت میں زیادہ موثر ہوگا اور عقاب آخرت
کا زیادہ مستحق بنا دے گا۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ
عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا
مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ ۝

مہینوں کے آگے پیچھے کر دینا بھی کفر ہی کی زیادتی ہے کہ ان کی بدولت کفار (اور) بہک جاتے
ہیں۔ ایک برس تو اسی ایک مہینے کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور (دوسرے) سال اسی مہینہ کو حرام
کہتے ہیں تاکہ خدا نے جو (چار مہینے) حرام کئے ہیں ان کی گنتی ہی پوری کر لیں اور خدا کی

حرام کی ہوئی چیز کو حلال کر لیں۔ ان کی بری (بری) کارستانیاں انھیں بھلی کر دکھائی گئیں۔ اور خدا کافر لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچایا کرتا ہے۔"

"نسئی" سے مراد کسی محترم مہینے کے عوض کسی ایسے مہینے کو محترم قرار دینا ہے جو درحقیقت خدا کی طرف سے محترم نہیں بنایا گیا ہے۔ اس سے پہلے بیان کیا گیا کہ کفار عرب جب مخصوص محترم مہینوں کو اپنی مصلحت کے خلاف پاتے تو دوسرے مہینوں کی طرف ان کی حرمت کو منتقل کر دیتے تھے۔ اور اس کا اعلان عام کر دیا جاتا تھا کہ اس سال اس مہینے کے بدلے فلاں مہینہ باحرمت قرار دیا گیا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ۝ "اے ایمان دارو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو تم لدھڑ ہو کے زمین کی طرف جھکے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بہ نسبت دنیا کی (چند روزہ) زندگی کو پسند کرتے ہو تو (سمجھ لو کہ) دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے عیش و آرام کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے۔"

(۱) یہ آیت غزوہ تبوک کے سلسلہ کی ہے جب کہ آنحضرتؐ غزوہ طائف سے مدینہ میں واپس تشریف لائے تو چند مہینے قیام فرمایا۔ اسی اثنا میں ایک قافلہ شام سے آیا اور اس نے خبر دی کہ ہرقل بادشاہ روم بہت بڑا لشکر مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے بھیج رہا ہے اور عرب کے مشہور قبائل لخم و غسان وغیرہ اوس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ ہو جانے کا حکم دیا۔ اتفاق سے وہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ خرمے کی تیاری کی فصل آ گئی تھی۔ اس لئے امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ قحط کی تکلیفیں جو گذر رہی ہیں ان کے عوض کچھ دنوں آرام نصیب ہوگا۔ پھر مسافت بھی طویل اور مقابلہ بھی قوی فوج سے تھا۔ غرض ان تمام باتوں کے یکجا جمع ہو جانے سے بہت سے لوگوں نے روانہ ہونے میں تامل کیا۔ انہی کی بابت یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز اس کے بعد والی آیتیں بھی اسی جنگ کے متعلق نازل ہوئیں۔

(۲) اس جنگ میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ ہے:—

فلما سار رسول اللہ صلعم تخلف عنہ عبد اللہ بن ابی فیمن تخلف من المنافقین واھل الریب وخلف رسول اللہ علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ علی اھلہ وامرہ بالاقامۃ فیھم فارجف بہ المنافقون وقالوا ما خلفہ الا استثقالا لہ وتخففا منہ فلما قال ذلک المنافقون اخذ علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ سلاحہ ثم خرج حتی اتی رسول اللہ صلعم وھو نازل بالجرف فقال یا نبی اللہ زعم المنافقون انک انما خلفتنی لانک استثقلتنی وتخففت منی فقال کذبوا ولکنی خلفتک لما ترکت ورائی فارجع فاخلفنی فی اھلی واھلک افلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی فرجع علی الی المدینۃ ومضی رسول اللہ صلعم علی سفرہ —

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۶ بر حاشیہ زاد المعاد)

"پس جب رسول اللہ صلعم روانہ ہوئے تو اہل شکوک اور منافقین میں سے پیچھے رہ جانے والوں میں عبد اللہ بن ابی بھی پیچھے رہ گیا اور رسول اللہ صلعم نے علی بن ابی طالب کو اپنے اہل پر اپنا خلیفہ بنایا اور انکو انھیں کے درمیان قیام رکھنے کا حکم فرمایا تو اس پر منافقین نے نکتہ چینی کی اور کہا کہ "رسول خدا نے علیؑ کو بار سمجھکر اور سبک کرنے کی غرض سے ساتھ نہیں لیا۔ جب منافقوں نے یہ بات کہی تو علی بن ابیطالب رضوان اللہ علیہ اپنے ہتھیار لیکر نکل پڑے یہانتک کہ رسول اللہ صلعم جبکہ مقام جرف میں اترے ہوئے تھے۔ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا نبی اللہ منافقوں کا یہ خیال ہے کہ مجھکو آپ نے بار سمجھتے ہوئے اور سبک کرنے کے لئے اپنے ساتھ نہیں لیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انھوں نے جھوٹ کہا۔ بلکہ میں نے اپنے پیچھے جنکو چھوڑا ان پر تمکو خلیفہ بنایا ہے۔ تم واپس ہو جاؤ اور اپنے اور میرے اہل میں میری قائم مقامی کرو۔ اے علیؑ کیا تمکو یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم میری جانب سے وہی منزلت پاؤ جو حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کی جانب سے پائی تھی۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پس حضرت علیؑ مدینہ کو واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلعم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔"

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم ۝ "اگر تم اس رسولؐ کی مدد نہ کروگے تو کچھ پروا نہیں

خدا مددگار رہے) اس نے تو اپنے رسولؐ کی اس وقت مدد کی جب اس کو کفار (مکہ) نے (گھر سے) نکال باہر کیا (اس وقت صرف دو آدمی تھے) اور دوسرے رسولؐ تھے۔ جب دونوں غار ثور میں تھے جب اپنے ساتھی کو (اس کی گریہ وزاری پر) سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر سے (ان کی) مدد کی جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں اور خدا نے کافروں کی بات نیچی کر دکھائی اور خدا ہی کا بول بالا رہا۔ اور خدا تو غالب حکمت والا ہے ہی۔

(١) خدا نے شب ہجرت اپنے رسولؐ کی نصرت کئی طرح سے کی ایک تو یہ کہ جب گھر سے حضرتؐ نکلے تو یہ آیت زبان پر جاری تھی وجعلنا من بین ایدیہم سدًا ومن خلفہم سدًا فاغشیناہم فہم لایبصرون۔ اور اس کی تاثیر یہ ہوئی کہ کسی کی نگاہ آپ پر نہ پڑ سکی۔ دوسری نصرت یہ کہ جب غار جبل ثور میں پہونچے تو بحکم الٰہی فوراً اس کے دروازہ پر خاردار درخت اُگ گئے اور مکڑی نے جالا تن دیا۔ اور کبوتر نے انڈے دیدیے جس سے ان کفار کو جو تجسس میں وہاں آئے تھے یہ گمان بھی نہ ہوا کہ آپ اس کے اندر تشریف فرما ہوئے۔ تیسری نصرت یہ کی کہ آنحضرتؐ کی دعا سے وہ لوگ ایسے اندھے ہو گئے کہ جن لوگوں نے اس غار کے اندر نظر بھی کی ان کو بجز تاریکی کچھ دکھائی نہ دیا۔ حالانکہ وہ اتنے قریب سے دیکھ رہے تھے کہ آنحضرتؐ کے رفیق سفر حضرت ابوبکر کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ ان لوگوں نے دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ اس خطرے کو آنحضرتؐ سے بیان کیا۔ جواب ملا کہ اگر دیکھا ہوتا تو کبھی پلٹ نہ جاتے۔ پانچویں نصرت یہ کی کہ جب آپ غار ثور سے نکلکر مدینہ کی طرف چلے تو اثنائے راہ میں سراقہ بن مالک جو تعاقب کر رہا تھا سامنے سے دکھائی دیا۔ اس کو دیکھکر جناب ابوبکر نہایت مضطرب ہو گئے۔ اور فرمایا ھذا الطلب قد لحقنا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لاتحزن ان اللہ معنا۔ جب وہ بہت قریب آ گیا تو آپ نے دعا فرمائی جس سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس وقت وہ فریاد کرنے لگا اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس مصیبت سے نجات مل گئی تو میں دوسرے تعاقب کرنے والوں کو روک دوں گا۔ اور اپنا تیروں سے بھرا ہوا ترکش بھی پیش کیا کہ اس میں سے جتنی ضرورت ہو لے لیجئے۔ مگر آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس کے لئے دعا فرمائی اور اس آفت سے اس کو نجات مل گئی۔ خود سراقہ نے ان دو مشہور شعروں میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ؎ ابا حکم لو کنت واللہ شاہداً + لامر جوادی ان تسیخ قوائمہ علمت ولم تشکک بان محمداً + رسول ببرہان فمن ذا یقاومہ ۔ ترجمہ۔ اے ابو حکم خدا کی قسم اگر تو میرے گھوڑے کے معاملہ کا مشاہدہ کرتا کہ اس کے پاؤں زمین میں دھنس چکے تھے تو تجھے یقین ہو جاتا اور شک نہ کرتا کہ محمدؐ دلیل کے ساتھ رسولؐ ہیں ان کا مقابل کوئی نہیں ہو سکتا۔"

(٢) "سکینة علیہ" میں ضمیر آنحضرتؐ کی جانب راجع ہے اس لئے کہ اس سے پہلے اور بعد پانچ ضمیریں متواتر جناب ہی کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ بیچ وسط کی ضمیر کا مرجع کسی دوسرے کو ٹھہرانا سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے اور یہ سیاق و سباق اتنا مہتم بالشان امر ہے کہ فخر الدین رازی و ابن روزبہان اور دیگر علمائے اسلام نے آیہ "انما ولیکم اللہ" اور آیۂ تطہیر کی بحث میں اپنے مقاصد کو ثابت کرنے کے لئے قوی ترین دلیل سمجھکر اس سے تمسک کیا ہے اور فخر الدین رازی نے تو مخالفت سیاق و سباق کو انتہا درجے کی رکاکت سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ کلام الٰہی کو منزہ سمجھنا واجب ہے پس جس امر کا اعتبار مختلف آیات میں لازم ہوگا اور آنحالیکہ ان کا ایک ساتھ نازل ہونا کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کی مخالفت ایک ہی آیت کے مختلف جملوں میں کیونکر جائز قرار دی جا سکتی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ کوئی داعی اس بات پر مجبور کرنے والا موجود نہ ہو۔ کہ خواہ مخواہ سیاق و سباق کا اعتبار چھوڑ کر ضمیر کو آنحضرتؐ صلعم کی طرف راجع نہ سمجھا جائے جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ خداوند عالم کے وعدہ ہائے نصرت کی وجہ سے رسول عربیؐ کے قلب مبارک میں پہلے ہی سے سکون و اطمینان موجود تھا دوبارہ نزول سکینہ کی ضرورت نہ تھی۔ انھوں نے اس سے بالکل غفلت برتی ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر بھی خدا نے فتح و ظفر کا وعدہ کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے اس کا اعلان بھی کر دیا تھا اور پھر چند نفر اہلبیت کے سوا جملہ مجاہدین کے فرار کر جانے کی حالت میں جیسی جرأت اور سکون و ثبات کا ظہور اس پر خطر میدان جنگ میں آپکی ذات سے ہوا اس کی دوسری نظیر بہت کم ملتی ہے۔ پس ایسے سکون قلب کے موجود ہوتے ہوئے دوسرے سکینہ کے نزول کی کیا ضرورت تھی جو خدا نے یہ ارشاد فرمایا "ثم انزل سکینتہ علیٰ رسولہ" اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت زیر بحث میں خدا نے فائے تعقیب کے ساتھ فانزل فرمایا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس سے دل میں سکون نہ رہا ہو۔ اور آنحضرت صلعم کی یہ حالت نہ تھی۔ کیونکہ آپ بکمال سکون و اطمینان اپنے رفیق سفر کو "لاتحزن ان اللہ معنا" فرما کر تسکین دے رہے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ غزوہ حنین والی آیت میں بھی "ثم" موجود ہے جو تعقیب کے ساتھ مہلت و تراخی پر بھی دلالت کرتا ہے (یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا امر کچھ مدت گذرنے کے بعد واقع ہوا) لہذا یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قلب رسولؐ پر دیر تک بے سکونی کی حالت طاری رہنے کے بعد خدا کی طرف سے سکینہ کا نزول ہوا۔ حالانکہ یہ امر بالکل خلاف عقل ہونے کے علاوہ تاریخی شہادتوں کے بھی مخالف ہے۔

پس حقیقت امر یہ ہے کہ نزول سکینہ کے لئے پہلے خوف کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ سکینہ پروردگار عالم کے ان الطاف خفیہ میں سے ہے جس کے درجات ترقی کی کوئی انتہا اور ایسی حد معین نہیں ہے جس سے متجاوز نہ ہو سکے لہذا اگر آنحضرتؐ کے قلب مبارک پر اس نازک وقت میں جبکہ رفیق غار اپنے حزن و خوف سے پریشانیٔ خاطر کے باعث بن رہے تھے مخصوص سکینہ نازل کر کے اس سکون و ثبات پر جو مواعید الٰہیہ کے سبب سے پہلے ہی موجود تھا زیادتی کی گئی

ہو تو کسی طور سے مستبعد نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور غزوۂ حنین والی آیت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔

ایک اور دلیل

ایک قوی دلیل اس بات کی کہ سکینۂ الٰہیہ محض آنحضرتؐ صلعم کے قلب مبارک پر نازل ہوا تھا وہ واقعہ ہے جو براء بن عازب کے سوال پر خود جناب ابوبکر نے بیان کیا تھا اور اس کی روایت بخاری مسلم و احمد حنبل وغیرہم علمائے محدثین نے کی ہے۔ آپ نے سفر ہجرت کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فارتحلنا والقوم يطلبوننا فلم يدركنا منهم الا سراقة على فرس له فقلت يا رسول الله هذا الطلب قد لحقنا فقال لا تحزن ان الله معنا حتى اذا دنى فكان بيننا وبينه قدر رمح او رمحين او ثلاثة فقلت يا رسول الله هذا الطلب قد لحقنا وبكيت قال لم تبكي۔ انتہی بقدر الحاجۃ

(تفسیر در منثور سیوطی جلد ثالث صفحہ ۲۳۹)

"ہم نے کوچ کیا اور قوم ہماری جستجو میں تھی پس ان میں سے کسی نے ہم کو نہ پایا سوا سراقہ کے جس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہم کو پا لیا۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ یہ دوڑ ہم تک آگئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حزن نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے یہاں تک کہ جب وہ اتنا قریب آگیا کہ ہمارے اور اس کے مابین صرف ایک نیزہ یا دو نیزہ یا تین کا فاصلہ رہ گیا تو میں نے پھر کہا یا رسول اللہ یہ دوڑ ہم تک آگئی اور میں رونے لگا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کیوں روتے ہو۔"

اس شہادت جناب صدیق سے واضح ہوا کہ غار ثور سے بہت دور نکل جانے کے بعد بھی آپ کے قلب مبارک میں حزن و اضطراب کی وہی کیفیت سابقہ باقی تھی بلکہ کچھ زیادہ ہو گئی تھی کیونکہ نہ فوج نہ رسالہ محض ایک سوار کو دیکھ کر جس کا مقابلہ نہایت آسانی سے ممکن تھا چیخ اٹھے کہ "دوڑ آگئی"۔ آنحضرتؐ نے پھر وہی کلام ارشاد فرمایا کہ "آپ محزون نہ ہوں خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ لیکن منزل صبر اب بھی ہنوز دلی دور کی مصداق رہی تا اینکہ اس سوار کے قریب آجانے پر تو خوف و اضطراب کی کوئی حد نہ باقی رہی۔ بے ساختہ ایک چیخ ماری اور رونے لگے۔ جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "اگر دوڑ آگئی ہے تو آنے دیجئے آخر آپ روتے کیوں ہیں"۔ پس اس حالت کو دیکھتے ہوئے کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ جناب صدیق کے قلب پر سکینہ نازل ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد خوف و اضطراب کی حالت کا باقی رہ جانا متصور نہیں ہو سکتا۔ البتہ باوجود جملہ اسباب پریشانی کی معیت کے آنحضرتؐ سے جس سکون قلب کا ظہور ہوتا رہا وہ خداوند عالم کی اس خاص رحمت و عنایت کا نتیجہ تھا جس سے ہر لحظہ عدم تناہی کی شان ظاہر ہوتی رہی تھی۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝

"اور اگر یہ لوگ (گھر سے) نکلنے کی ٹھان لیتے تو کچھ نہ کچھ سامان تو کرتے۔ مگر بات یہ ہے کہ خدا نے ان کے بھیجنے کو ناپسند کیا تو ان کو کاہل بنا دیا اور (گویا) ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے مکھی مارتے رہو۔"

خداوند عالم نے جن وجوہ سے مومنین کیساتھ منافقین کے خروج کو پسند نہ کیا اون کو بعد کی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ مجمل کلام الٰہی یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اہل ایمان کی طرح نصرت رسولؐ کی غرض سے نکلنے کا قصد رکھتے تو سفر کا سامان بھی مہیا کرتے۔ مگر مومنین کیساتھ ان کا جانا خود خداوند عالم کو ناپسند تھا۔ کیونکہ اگر ساتھ جاتے تو یہ نیت اون کی کبھی نہ ہوتی کہ دین الٰہی کی نصرت کریں بلکہ بجائے اس کے مومنین ہی کو اپنی فتنہ انگیزی سے پریشان کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے ساتھ اون لوگوں کا جانا دو غرض سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ اور دین حق کی حمایت کریں۔ دوسری یہ کہ مشرکین کے جاسوس بنیں، اور مومنین کو فتنہ و فساد برپا کر کے پریشانی میں ڈالیں۔ پہلی غرض سے سفر کرنے کا تو خود انھوں نے ارادہ نہیں کیا۔ اور وہ اس سے ظاہر ہے کہ جہاد کے ضروری سامان مہیا نہیں کرتے تھے۔ رہی دوسری غرض تو اس کے لئے مومنین کے ساتھ روانہ ہونے کو خداوند عالم نے روک دیا۔ اگلی اور پچھلی آیتوں کو ملا کر دیکھنے سے اس شبہہ کی خلش کسی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی کہ جب خدا نے اون لوگوں کو روانہ ہو جانے کا حکم دیا تو پھر کاہل بنا کر بٹھا دینا کیسا؟ کیونکہ جس غرض سے خروج کا حکم دیا گیا وہ نصرت رسولؐ و حمایت دین تھی لیکن اس کے لئے ان کے نفاق نے تیار نہ ہونے دیا۔ حالانکہ اون میں قدرت اور اختیار موجود تھا۔ اگر چاہتے تو روانہ ہو سکتے تھے۔ اسی امر کی طرف "لو ارادوا الخروج لاعدوا له عدة" فرما کر اشارہ فرمایا ہے۔ رہا فتنہ انگیزی کی غرض سے نکلنا تو وہ اس کے لئے تیار ہو جاتے جس طرح پہلے غزوات کے موقع پر جایا کرتے تھے، مگر خدا کی مشیت خاصہ اس سے مانع ہوئی۔ اور کاہل ہو کر بیٹھ رہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

"(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ ہم پر ہرگز کوئی مصیبت پڑ نہیں سکتی۔ مگر وہی جو خدا نے ہمارے لئے (ہماری تقدیر میں) لکھ دیا ہے، وہی ہمارا مالک ہے اور ایمانداروں کو چاہئے بھی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں۔"

اس آیت کی تفسیر بعد والی آیت کرتی ہے اور مجمل کلام الٰہی یہ ہے کہ "اے رسول ان منافقین سے کہہ دو کہ فتح ہو یا شہادت بہر طور خدا نے ہمارے لئے بھلائی ہی مقدر کر دی ہے۔ اگر ایک نہیں تو دوسری ضرور ہی ہاتھ آجائے گی۔ جس امر کو تم ہمارے لئے مصیبت سمجھتے ہو وہ بھی درحقیقت ہمارے لئے فوز عظیم ہے۔ پس تم ہمارے انجام کی بابت خیر و خوبی کے سوا کسی شر اور بدی کا انتظار کر ہی نہیں سکتے۔ برخلاف اس کے کہ ہم کو تمہاری بابت یہی انتظار ہے کہ انجام کار عذاب دنیا ہی میں مبتلا ہو گے خواہ وہ خدا کے دست قدرت سے

نازل ہو۔ ہمارے ہاتھوں سے۔ لہذا تم کو ہماری ظاہری مصیبت اور اپنی وقتی نجات پر مسرور و نازاں نہ ہونا چاہیئے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ

(اے رسول) تم کو نہ تو ان کے مال حیرت میں ڈالیں اور نہ ان کی اولاد (کیونکہ) خدا تو یہ چاہتا ہے ان کو آل و مال کی وجہ سے دنیا کی (چند روزہ) زندگی (ہی) میں مبتلائے عذاب کرے اور جب ان کی جانیں نکلیں تب بھی وہ کافر (کے کافر) ہی رہیں۔

خداوند عالم نے اس آیت میں اسی مطلب کی تفصیل کی ہے جس کو آیۂ سابقہ "اُملی لهم ان کیدی متین" میں مجملاً بیان فرمایا ہے۔ اس کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے ان دونوں باتوں کو جو اس سے پہلے بھی متعدد آیات کے ذیل میں درج کی جا چکی ہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ خدائے تعالیٰ کسی بندے سے ابتداءً صدور کفر کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور نہ اس کو قبول ایمان ہی پر مجبور کرتا۔ بلکہ ہر ایک کے عقاب و ثواب کو بدرجۂ غایت واضح فرما کر بندوں کو مختار کر دیا ہے کہ جس کو چاہیں اختیار کر لیں اوسی کے مناسب اون کو نیک یا بد جزا دی جائے گی۔ البتہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب ہر طرح حجت تمام کر دی جاتی ہے اور بندے اصرار کفر و ضلالت سے باز نہیں آتے تو عذاب و عقوبت کے طور پر اون سے وہ توفیقات جو بشرط ارادۂ خیر منزل مقصود تک پہونچنے میں بہت کچھ امداد کرتی ہیں مسلوب کر لیتی ہیں۔ پھر وہ کفر و ضلالت کی تاریکی سے کبھی نکل نہیں سکتے۔ اور اس سلب توفیقات سے مقصود الٰہی یہی ہوتا ہے کہ اون کے لئے عذاب دائم کا استحقاق اچھی طرح مستحکم ہو جائے۔

دوم یہ کہ دنیوی حشمت و ثروت جو بندوں کو عطا کی جاتی ہے اوس سے عام طور پر تفضل و احسان ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ کبھی اوس کی غرض امتحان و آزمائش ہوتی ہے جیسا کہ جناب سلیمان نے فرمایا تھا "هذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر" اور کبھی کفر و ضلالت فسق و فجور پر اصرار کرنے والے بندوں کے استحقاق عذاب میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ معلوم ہے کہ جب انسان کو غنا اور فراغت نصیب ہوتی ہے تو اس کا نفس امارہ فسق و فجور طغیان و عصیان کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں کہ نہ خدا کا خوف ہو اور نہ آخرت کے بازپرس کا دھڑکا بہت جلد نفس پرستی اور ہوا و ہوس کی متابعت کے عمیق غار میں گر کر اسفل سافلین تک پہونچ جاتا ہے۔

اگر ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیۂ زیر بحث کو دیکھا جائے تو اس کے مفہوم میں کسی شبہہ و شک کی گنجائش نہیں مل سکتی اور نہایت واضح طور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کا مفہوم شان عدل باری تعالیٰ کے خلاف ہو۔

رہی یہ بات کہ اولاد اور مال دنیا کی کثرت باعث عذاب دنیوی کیونکر ہو سکتی ہے تو اس کے وجوہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

(الاول) ان کل من حبه للشیٔ اشد واقوی کان حزنه وتالم قلبه علی فواته اعظم واصعب وکان خوفه علی فواته اشد واصعب فالذین حصلت لهم الاموال الکثیرة والاولاد ان کانت تلک الاشیاء باقیة عندهم کانوا فی الم الخوف الشدید من فواتها وان فاتت وهلکت کانوا فی الم الحزن الشدید بسبب فواتها فثبت انه بحصول موجبات السعادات الجسمانیة لا ینفک عن تلک القلب اما بسبب خوف فواتها او بسبب الحزن من وقوع فواتها (والثانی) ان هذه یحتاج فی تحصیلها الی متاعب اشد واشق واصعب واعظم فی حفظها فکان حفظ المال بعد حصوله اصعب من اکتسابه فالمشغوف بالمال والولد ابدا یکون فی تعب الحفظ والصون عن الهلاک ثم انه لا ینتفع الا بالقلیل من تلک الاموال فالتعب کثیر والنفع قلیل (والثالث) ان الانسان اذا عظم حبه لهذه الاموال والاولاد الی آخر عمره او لا یبقی بل تهلک وتبطل فان کان الاول فعند الموت یعظم حزنه وتشتد حسرته لان مفارقة المحبوب شدیدة وترک المحبوب اشد واشق وان کان الثانی وهو ان هذه الاشیاء تهلک وتبطل حال حیاة الانسان عظم اسفه علیها واشتد تالم قلبه بسببها

(وجہ اول) یہ ہے کہ جس کی محبت کسی شے سے اشد و اقویٰ ہوگی اس کے فوت ہونے پر اس کا حزن و ملال قلبی عظیم تر اور دشوار تر ہوگا اور اس کے فوت ہونے کا اندیشہ اشد و اصعب ہوگا۔ پس وہ لوگ جن کو اموال کثیرہ اور اولادیں حاصل ہیں اگر یہ اشیاء ان کے پاس باقی رہیں تو ان کے فوت ہونے کے اندیشہ میں سخت فکرمند اور خوف زدہ ہوں گے۔ اور اگر یہ اشیاء واقعی فوت اور ہلاک ہو گئیں تو ان کے فوت ہو جانے کی وجہ سے شدید رنج و حزن میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لہذا ثابت ہوا کہ سعادات جسمانیہ کے اسباب کے حصول سے دل کو خوف یا حزن سے رہائی نہیں مل سکتی کیونکہ اندیشۂ خوف یا واقعی فوت سے بہر حال چھٹکارا نہیں۔ (دوسری وجہ) یہ ہے کہ ان (اموال و اولاد) کے اکتساب اور تحصیل میں تعب شدید اور مشقت عظیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر حاصل ہونے کے بعد ان کی حفاظت میں اور زیادہ شدید و عظیم زحمتوں کا سامنا ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ مال کے حاصل ہونے کے بعد بہ نسبت اس کے اکتساب کے اس کی حفاظت بہت دشوار ہے۔ مال اور اولاد کا شیدائی ہمیشہ ان کو ہلاکت سے بچانے اور حفاظت کرنے کے تعب میں رہتا ہے پھر ان اموال میں سے صرف تھوڑے مال سے منتفع ہوتا ہے۔ یعنی تعب کثیر اور نفع قلیل اٹھاتا ہے۔ (تیسری وجہ) یہ ہے کہ جب ان اموال و اولاد سے انسان کی محبت عظیم ہوگی۔

[illegible]

فثبت ان حصول الاموال والاولاد سبب لحصول العذاب فی الدنیا (والرابع) ان الدنیا حلوۃ خضرۃ والحواس مائلۃ الیھا فاذا کثرت وتوالت استغرقت فیھا وانصرفت النفس بکلیتھا الیھا فیصیر ذلک سببا لحرمانہ عن ذکر اللہ ثم انہ یحصل فی قلبہ نوع قسوۃ وقوۃ وقھر وکلما کان المال والجاہ اکثر کانت تلک القسوۃ اقوی والیہ الاشارۃ بقولہ تعالی ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی فظھر ان کثرۃ الاموال والاولاد سبب قوی فی زوال حب اللہ وحب الآخرۃ عن القلب وفی حصول حب الدنیا وشھواتھا فی القلب فعند الموت کان الانسان ینتقل من البستان الی السجن ومن مجالسۃ الاقرباء والاحباء الی موضع الکربۃ والغربۃ فیعظم تألمہ وتقوی حسرتہ ثم عند الحشر حلالھا حساب وحرامھا عقاب فثبت ان کثرۃ الاموال والاولاد سبب لحصول العذاب فی الدنیا والآخرۃ۔ فان قیل ھذا المعنی حاصل للکل فما الفائدۃ فی تخصیص ھؤلاء المنافقین بھذا العذاب قلنا المنافقون مخصوصون بزیادات فی ھذا الباب احدھا ان المسلم اذا اٰمن باللہ والیوم الآخر علم انہ خلق للآخرۃ لا للدنیا فیھذا العلم تفتر حبہ للدنیا واما المنافق لما اعتقد انہ لا سعادۃ الا فی ھذہ الخیرات العاجلۃ عظمت رغبتہ فیھا واشتد حبہ لھا وکانت الآلام الحاصلۃ بسبب فواتھا اکثر فی حقہ وتقوی عند قرب الموت وظھور علاماتہ فھذا النوع

تو یا یہ اموال و اولاد اس کی آخر عمر تک باقی رہیں گے یا باقی نہ رہیں گے بلکہ ہلاک اور فنا ہو جائیں گے پس اگر پہلی بات (بقا) ہوگی تو موت کے وقت اس کو حزن عظیم و حسرت شدیدہ لاحق ہوگی کیونکہ مفارقت محبوب شدید اور محبوب کا محبوب کو چھوڑنا بہت شاق ہوتا ہے اور اگر دوسری بات ہوگی یعنی اشیاء انسان کی زندگی ہی میں ہلاک اور تباہ ہو گئیں تو اس کو بڑا افسوس ہوگا۔ اور ان چیزوں کی تباہی سے اس کے دل کو بڑا دکھ پہنچے گا پس ثابت ہوا کہ اموال و اولاد کا حصول دنیا میں ایک طرح کا عذاب ہے (چوتھی وجہ) یہ ہے کہ دنیا ایک شیریں اور شاداب چیز ہے اور حواس اس کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ پس جوں جوں اس کی شادابی بڑھتی جائے گی نفس اس میں مستغرق ہوتا جائے گا۔ اور اسی کا ہو رہے گا پس یہ اس کے لئے اللہ کے ذکر سے محروم ہونے کا سبب ہو جائیگا پھر اس کے دل میں ایک طرح کی سختی اور بے توجہی پیدا ہو جائیگی۔ اور جوں جوں مال و جاہ بڑھتے جائیں گے یہ قساوت قوی تر ہوتی جائے گی۔ اسی کی طرف خدا نے اپنے قول "ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی" سے اشارہ فرمایا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ کثرت اموال و اولاد محبت خدا اور محبت آخرت کو دل سے زائل کر دینے کا اور محبت دنیا اور اس کی لذات سے وابستہ کر دینے کا سبب قوی ہے لہذا موت کے وقت گویا انسان ایک باغ سے قید خانہ کی طرف اور اقرباء و احباء کی ہمنشینی سے کرب و غربت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ عظیم رنج اور شدید حسرت میں مبتلا ہوگا۔ پھر حشر کے دن اس کو حلال کا حساب دینا ہوگا اور حرام کا عقاب بھگتنا ہوگا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کثرت اموال و اولاد دنیا اور آخرت میں حصول عذاب کا سبب ہے

من العذاب حاصل لھم فی الدنیا بسبب حب الاموال والاولاد۔ انتھی بقدر الحاجۃ۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات تو کل انسانوں کے لئے ہے لہذا اس عذاب سے منافقین کی تخصیص کا کیا فائدہ ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ منافقین کے لئے اس بارے میں چند اضافے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی شخص خدا اور یوم آخر (قیامت) پر ایمان لائے گا تو اس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ آخرت کیلئے خلق کیا گیا ہے نہ کہ دنیا کے لئے۔ پس اس علم سے اس کی حب دنیا کم ہو جائے گی۔ اور منافق کا جب یہ اعتقاد ہے کہ صرف ان ناپائدار خوبیوں میں ہی سعادت ہے تو ان کی طرف اس کی رغبت عظیم اور محبت شدید ہوگی۔ لہذا ان کے فوت سے جو آلام حاصل ہوں گے۔ وہ اس کے حق میں زیادہ ہوں گے۔ اور موت کے قریب اور اس کی علامات کے ظہور کے وقت ان میں اور قوت پیدا ہو جائے گی۔ پس عذاب کی یہ قسم اموال و اولاد کی محبت کی وجہ سے منافقین کے لئے دنیا ہی میں مہیا ہو جاتی ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝

"اور ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمہیں خیرات (کی تقسیم) میں (خواہ مخواہ) الزام دیتے ہیں پھر اگر ان میں سے انہیں کچھ (معقول مقدار) دیدیا گیا۔ تو خوش ہو گئے اور اگر (ان کی مرضی کے موافق) اس میں سے انہیں کچھ نہیں دیا گیا تو بس فوراً ہی بگڑ بیٹھے"

اس آیت کا سبب نزول روایت مندرجہ ذیل میں بالتفصیل مذکور ہے۔

اخرج البخاری والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری رضی قال بینا النبی صلعم یقسم قسما اذ جاءہ ذوالخویصرۃ التمیمی فقال اعدل یا رسول اللہ فقال ویلک ومن یعدل اذا لم اعدل فقال عمر بن الخطاب یا رسول اللہ ائذن لی فیہ فاضرب عنقہ فقال رسول اللہ صلعم دعہ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلاتہ مع صلاتھم

بخاری، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ نبی صلعم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ کہ ذوالخویصرہ تمیمی آپ کے پاس آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ انصاف کیجئے۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو اگر میں انصاف نہیں کروں تو کون انصاف کرے گا عمر بن الخطاب نے کہا یا رسول اللہ مجھکو اجازت دیجئے ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس کے

وصیامه مع صیامهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم
من الرمیة فینظر فی قذذه فلا یری فیه شیء ثم ینظر
فی نضیه فلا یری فیه شیء ثم ینظر فی رصافه فلا یری
فیه شیء ثم ینظر فی نصله فلا یوجد فیه شیء قد سبق
الفرث والدم آیتهم رجل اسود احدی یدیه او قال
ثدییه مثل ثدی المرأة یخرجون علی حین فرقة من
الناس قال فنزلت فیهم ومنهم من یلمزک فی الصدقات
الآیة قال ابو سعید الخدری اشهد انی سمعت هذا
من رسول الله صلعم واشهد ان علیاً حین قتلهم وانا
معه جیء بالرجل علی النعت الذی نعت رسول الله صلعم
(تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۵۰)

بہت سے ایسے ساتھی ہیں۔ کہ تم میں کا ہر شخص ان کے ساتھ اپنی نماز
اور روزہ کو ناپسند سمجھتا ہے یہ لوگ دین سے اس طرح الگ ہو جائیں گے
جس طرح تیر کمان سے چھوٹ کر نشانے سے الگ جا پڑتا ہے اس کے
پروں کو دیکھتا ہے تو ان میں کچھ نہیں پاتا۔ پھر ترکش کو دیکھتا ہے
تو اس میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ پھر سوفار کو دیکھتا ہے تو وہ بھی
لاپتہ ہوتا ہے پھر اس کے پھل کو دیکھتا ہے تو وہ بھی غبار ور
ان کی علامت ایک مردہ سیاہ فام ہے۔ اس کا ایک ہاتھ یا ایک
ایک چھاتی عورت کی چھاتی کے مانند ہوگی۔ یہ لوگ اس وقت
خروج کریں گے جب لوگوں میں تفرقہ ہو جائے گا پس ان کے
بارے میں ومنہم من یلمزک فی الصدقات کی آیت نازل
ہوئی۔ ابوسعید خدری نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے
اس کو خود رسول اللہ صلعم سے سنا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جب حضرت علیؑ نے ان
لوگوں کو قتل کیا۔ اور میں آنحضرتؑ کے ساتھ تھا۔ تو ایک شخص اسی صفت کا لایا گیا۔ جو رسول اللہ
نے بیان فرمایا تھا"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؑ نے جنگ خوارج کی پیشین گوئی کی تھی اور ان کی علامتیں بھی بیان فرمائی تھیں
جن کا ظہور مدتوں کے بعد بالکل آپکے ارشاد کے مطابق ہوا۔ پس جو لوگ بعض آیات قرآنی کا مطلب نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے
اس خیال فاسد میں پڑے ہوئے ہوں کہ آنحضرتؐ عالم اخبار غیب نہ تھے" ان کو اس روایت پر غور کرنا چاہیے۔ ۶۰

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ

"خیرات تو بس (خاص) فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اس (زکوٰۃ وغیرہ) کے
کارندوں کا اور جنکی تالیف قلب کی گئی ہے (ان کا) اور (جنکی) گردنوں میں (غلامی کا)
پھندا پڑا ہے۔ ان کا اور قرضداروں کا (جو خود سے ادا نہیں کر سکتے) اور خدا کی راہ

(جہاد) میں اور پردیسیوں کی کفالت میں (خرچ کرنا چاہیے)"

اس آیت کے متعلق چند باتوں کو مختصراً واضح کر دینا مناسب ہے۔

(اول) احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں صدقات سے فقط زکوٰۃ واجب مراد ہے عام خیرات مراد نہیں۔

(دوم) امم سابقہ میں بعض منافقین کے الزام اور ان کے نامناسب حالات کو مذمت کے طور پر بیان فرمانے کے بعد یہ ظاہر فرمایا کہ اموال زکوٰۃ کے مستحق عام لوگ نہیں ہیں بلکہ اس کے اصلی مستحقین اور حقیقی مصارف یہ ہیں۔

(۱) فقراء و مساکین۔ بظاہر عرف عام کے اعتبار سے تو ان دونوں لفظوں کے مصداق میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن لغت کے اعتبار سے تغایر ثابت ہے اور متعدد احادیث معصومین بھی اسی کو واضح کرتی ہیں کہ فقیر و مسکین میں فرق ہے چنانچہ کافی میں معصومؑ سے روایت کی گئی ہے کہ الفقیر الذی لا یسئل والمسکین الذی هو اجهد منه الذی یسئل۔ فقیر وہ ہے جو مانگتا نہیں اور مسکین (جو فقیر سے زیادہ زحمت میں ہوتا ہے) وہ ہے جو سوال کرتا ہے۔

(۲) وہ لوگ جو اموال زکوٰۃ کو وصول کرنے پر معین کئے گئے ہوں۔

(۳) وہ کفار جن سے جہاد میں مدد لیجائے۔

(۴) غلاموں کو آزاد کرنا۔ اور اسکی تفصیل یہ ہے:۔

وفی الرقاب الذین یعطون [illegible] الأول
المکاتبون واعطائهم مجمع علیه بین الاصحاب لکنه بشرط ان لا
یکون عندهم ما یصرفونه فی الکتابة الثانی العبید الذین
تحت الشدة وهو مجمع علیه ایضا ویدل علیه ما رواه الشیخ
فی الصحیح عن عمرو بن ابی نصر عن ابی عبدالله علیه السلام
فی الرجل یجتمع عنده من الزکوة یشتری بها النسمة یعتقها
فقال اذن یظلم قوما آخرین حقوقهم ثم قال الا ان یکون عبداً
مسلماً فی ضرورة یشتریه ویعتقه الثالث شراء العبد مع عدم
المستحق قال فی المعتبر وعلیه فقهاء الاصحاب۔
(زبدۃ البیان [illegible] صفحہ ۹۵)

"اور مجاہدوں میں صدقات صرف کئے جائیں) اور وہ لوگ جن کو حصہ
دیا جائے گا چند قسم کے ہیں۔ قسم اول مکاتب ہیں ان کے عطا کرنے پر
اصحاب کا اجماع ہے لیکن اس شرط کے ساتھ ہے کہ ان کے پاس
کتابتہ (آزادی کی معینہ رقوم) میں صرف کرنے کے لئے نہ ہو۔ قسم دوم
وہ غلام ہیں جو تکالیف میں ہوں اور یہ بھی مجمع علیہ ہے اور اس پر
وہ صحیح روایت دلالت کرتی ہے جس کو شیخ نے عمر بن ابی نصر سے
اور انھوں نے ابو عبداللہؑ سے اس شخص کے بارے میں نقل کیا ہے
جس کے پاس زکوٰۃ جمع ہوتی تھی اور وہ اس سے غلام خرید کر آزاد
کرتا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا ایسی صورت میں وہ دوسرے لوگوں
کے حقوق کے بارے میں ظلم کرتا ہے۔ پھر فرمایا مگر یہ کہ عبد مسلم
ضرورت مند ہو اس کو خرید کر آزاد کر سکتے ہیں۔ تیسری قسم مستحق نہ پائے جانے کے وقت غلام کو خرید کر
(اور آزاد کرنا) معتبر میں کہا ہے کہ یہی ہمارے فقہا کا قول ہے۔

اس آیت اور احادیث منقولہ سے ثابت ہوتا ہے کہ غلاموں کی آزادی شریعت اسلام کے مقاصد عظیمہ میں داخل ہے۔ ہم کسی دوسرے مناسب مقام اس کی کامل توضیح کریں گے۔

(۵) قرضداروں کو دام قرض سے رہا کرانا۔

(۶) جہاد فی سبیل اللہ اور ایسے دیگر ضروری کاموں میں صرف کرنا جو عامہ خلائق کے لئے مفید ہوں مثلاً پلوں اور مساجد کی تعمیر۔ حجاج وزائرین وطلاب علم دین کی اعانت وغیرہ وغیرہ۔

(۷) وہ مسافرین جو عالم غربت میں زاد سفر کے محتاج ہوں بشرطیکہ اون کا سفر جائز ہو۔

(سوم) فقط نو چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ سونا، چاندی، گیہوں، جو، خرما، مویز (جس میں کشمش، منقیٰ، انگور سب شامل ہیں ان کے علاوہ اور کسی غلہ یا پھل میں زکوٰۃ واجب نہیں) اونٹ، گائے، گوسفند (یعنی بکری بھیڑ دنبہ ان کے علاوہ دیگر حیوانات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے)

سونے چاندی میں زکوٰۃ تین شرطوں سے واجب ہوتی ہے:۔

(۱) سال بھر تک بغیر تغیر وتبدل کے باقی رہنا۔ پس جب گیارہواں مہینہ ختم ہو کر بارہواں مہینہ شروع ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہو جائیگی۔

(۲) سکہ دار ہونا عام اس سے کہ سکہ رائج ہو یا غیر رائج۔ اسلامی ہو یا غیر اسلامی۔ پس زیور، یا سونے، چاندی کی سل اور نوٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۳) نصاب کا پورا ہونا۔ پس جب کوئی شئے مقدار نصاب سے کم ہوگی تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ سونے کے دو نصاب ہیں۔ ۲۰ دینار اور اس کے بعد ہر چہار دینار پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ پس اگر کسی شخص کے ملک میں بیس دینار پورے نہ ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر ۲۰ دینار کے بعد چار دینار جب تک پورے نہ ہو جائیں زکوٰۃ اس سے متعلق نہ ہوگی۔

چاندی کے بھی دو نصاب ہیں۔ ۲۰۰ درہم۔ اس کے بعد ہر چالیس درہم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

جب سونا چاندی اپنی اپنی مقدار نصاب تک پہونچ جائے تو اس میں سے ہر نصاب کا چالیسواں حصہ دینا چاہئے مثلاً ۲۰ دینار کی زکوٰۃ نصف دینار ہوئی۔ اسی پر باقی کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔

حیوانات مذکورہ بالا میں وجوب زکوٰۃ کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) سائمہ ہونا۔ یعنی جنگل وصحرا میں گھاس چر کے پرورش پاتے ہوں۔ مالک کو بقیمت ان کا چارہ مہیا نہ کرنا پڑتا ہو

(۲) سال بھر بغیر تبدل وتغیر کے باقی رہنا۔

(۳) ایسے مویشی نہ ہوں جن سے کاشتکاری وغیرہ ضرورتوں میں کام لیا جاتا ہے۔

(۴) نصاب کی حد کو پہنچ جانا۔

اسی طرح غلات کی زکوٰۃ میں بھی شروط ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہیہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔ یہاں اس مختصر تذکرہ سے محض اتنا واضح کرنا مقصود ہے کہ شریعت اسلام میں فریضہ زکوٰۃ کی بنیاد و بہر طور رحمت وشفقت علی الخلق پر رکھی گئی ہے۔ ایک طرف اس کے مصارف ایسے معین کئے گئے ہیں جو سراسر مفید عام ہیں اگر اہل دولت کی طرف سے اس فریضہ کے ادا کرنے میں ناجائز بخل سے کام نہ لیا جائے تو اہل حاجت کو دربدر ناصیہ سائی اور سوال کی خفت اوٹھانی پڑیگی اور نہ دوسری مفید عام و نافع خلائق کاموں میں خلل واقع ہو سکے گا۔ دوسری طرف مقدار نہایت قلیل اور وہ بھی ایسی شرائط کے ساتھ معین کی گئی ہے جن کا اجتماع عام طور سے بہت کم ہوتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت عام دنیاوی حکومتوں کی طرح اغنیاء کے دولت وثروت میں ناقابل برداشت خراج اور ٹیکس عاید نہیں کرنا چاہتی ہے بلکہ ہر ممکن تخفیف کیساتھ اون کی دولت میں اہل احتیاج کا حصہ اتنا قلیل معین کرنا مقصود ہے جو کسی شخص پر گراں نہیں ہو سکتا۔ ساتھ اس کے تحصیل زکوٰۃ میں جیسے لطف ومدارات سے بھرے ہوئے آداب ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ اس کی نظیر کسی دنیوی حکومت میں نہیں مل سکتی خواہ وہ کتنی ہی مہذب و عادل کیوں نہ ہو۔ یہاں بغرض اختصار صرف ایک آیت اور چند احکام جو امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے عہد خلافت میں عمال خراج کو دیئے تھے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت الٰہیہ نے اس معاملہ میں کیسے عدیم النظیر حسن سلوک اور تلطف آمیز برتاؤ کو ملحوظ رکھا ہے۔

تعلیم قرآن

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم۔

"ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے اور اس صدقہ کے ذریعہ سے ان کو پاک وپاکیزہ بنایئے اور ان کے لئے دعا کیجئے یقیناً آپ کی دعا ان کے لئے سرمایۂ سکون ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولؐ پر فرض کیا گیا تھا کہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے وقت اون کے لئے دعائے خیر کریں اور یہ فریضہ آپ کے خلفا سے بھی متعلق ہے۔

تعلیم معصوم

(۱) من عبد اللہ علی امیر المومنین الی اصحاب الخراج اما بعد فان من لم یحذر ما ھو صائر الیہ لم یقدم لنفسہ ما یحرزھا واعلموا ان ما کلفتم یسیر وان ثوابہ کثیر ولو لم یکن فیما نھی اللہ عنہ من البغی والعدوان عقاب یخاف لکان

(۱) بندۂ خدا علی امیر المومنین کی طرف سے مالگذاری وصول کرنے والوں کے نام۔ خدا کی حمد اور پیغمبر پر درود کے بعد (آگاہ ہو) کہ جو شخص اپنی طرف آنیوالی چیز سے نہیں ڈرتا وہ اپنی جمع کردہ چیز کو اپنے آگے کے لئے نہیں بھیجتا۔ اور یہ جان رکھو کہ جس کے تم مکلف ہو وہ کم ہے اور اس کا بدلہ زیادہ ہے اور اگر اس ظلم وستم سے جس میں خدا نے

فی ثواب اجتنابه ما لا عذر فی ترک طلبه فانصفوا الناس من انفسکم واصبروا لحوائجهم فانکم خزان الرعیة ووکلاء الامة وسفراء الائمة ولا تحشموا احداً عن حاجته ولا تحبسوه عن طلبته ولا تبیعن للناس کسوة شتاء ولا صیف ولا دابة یعتملون علیها ولا عبداً ولا تضربن احداً سوطاً لمکان درهم ولا تمسن مال احد من الناس مصل ولا معاهد ۔ انتهی بقدر الحاجة

(نہج البلاغۃ)

منع کیا ہے خوفناک عذاب نہ ہوتا۔ تو جس چیز کے نہ طلب کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے اس سے اجتناب کرنے میں ثواب ہے پس اپنی طرف سے لوگوں کے ساتھ انصاف کرو اور اپنی ضروریات کے لئے صبر اختیار کرو۔ کیونکہ تم رعایا کے خزانہ دار ہو اور قوم کی طرف سے اس کے وکیل ہو اور پیشواؤں کے نمائندے ہو۔ اور کسی کو اس کی احتیاج کے سلسلہ میں تنگ نہ کرو۔ اور اس کی خواہش کو پورا کرو۔ اور مالگذاری میں لوگوں کے جاڑے اور گرمی کے کپڑوں اور کام میں آنے والے چوپایوں اور غلاموں کو نہ فروخت کرو۔ اور پیسہ کی وصولی کے لئے کسی کو تازیانہ نہ مارو۔ اور مسلم و غیر مسلم حلیف کے مال میں دست اندازی نہ کرو۔

(۲) انطلق علی تقوی الله وحده لا شریک له ولا تروعن مسلماً ولا تجتازن علیه کارهاً ولا تاخذن منه اکثر من حق الله فی ماله فاذا قدمت علی الحی فانزل بمائهم من غیر ان تخالط ابیاتهم ثم امض الیهم بالسکینة والوقار حتی تقوم بینهم فتسلم علیهم ولا تخدج بالتحیة لهم ثم تقول عباد الله ارسلنی الیکم ولی الله وخلیفته لآخذ منکم حق الله فی اموالکم فهل لله فی اموالکم من حق فتؤدوه الی ولیه فان قال قائل لا فلا تراجعه وان انعم لک منعم فانطلق معه من غیر ان تخیفه او توعده او تعسفه او ترهقه فخذ ما اعطاک من ذهب او فضة فان کان له ماشیة او ابل فلا تدخلها الا باذنه فان اکثرها له فاذا اتیتها فلا تدخل علیها دخول متسلط علیه ولا عنیف به ولا تنفرن بهیمة ولا تفزعنها ولا تسوءن صاحبها فیها واصدع المال صدعین ثم خیره

(۲) بے مثل و یکتا خدا کی راہ تقویٰ پر چلو۔ کسی مسلمان کو نہ ڈراؤ اور اس کی [illegible] سے جابرانہ نہ گذرو۔ اور جتنا مال اس کے مال میں خدا کا حق ہے اس سے زیادہ نہ لو۔ پس جب تم کسی قبیلہ کے پاس آؤ تو ان کے گھروں پر جانے سے پہلے ان کے چشمہ کے کنارے اترو پھر سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف جاؤ۔ اور ان کے درمیان جا کر کھڑے ہو اور ان پر سلام کرو۔ اور دعا میں کوتاہی نہ کرو اس کے بعد کہو۔ اے خدا کے بندو خدا کے خلیفہ و ولی نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے اموال میں سے خدا کا حق وصول کروں لہذا جو کچھ تمہارے اموال میں خدا کا حق ہے وہ اس کے ولی کو دیدو۔ پس اگر کوئی کہے کہ میرے ذمہ خدا کا حق نہیں ہے تو اس کی طرف دوبارہ رخ نہ کرو۔ اور اگر کوئی ہاں کہے تو اس کے ہمراہ جاؤ۔ اور اس کو نہ ڈراؤ نہ دھمکاؤ۔ نہ تنگ کرو۔ نہ پریشان کرو۔ پس جو کچھ سونا یا چاندی وہ تم کو دے لے لو۔ اور اگر وہ چوپایہ یا اونٹ رکھتا ہو تو اس کے نزدیک اس کی بے اجازت نہ جاؤ۔ کیونکہ ان کا زیادہ حصہ

فاذا اختار فلا تعرضن لما اختاره ثم اصدع الباقی صدعین ثم خیره فاذا اختار فلا تعرضن لما اختاره فلا تزال بذلک حتی یبقی ما فیه وفاء لحق الله فی ماله فاقبض حق الله منه فان استقالک فاقله ثم اخلطها ثم اصنع مثل الذی صنعت اولاً حتی تاخذ حق الله فی ماله ۔ (انتهی بقدر الحاجة) (نہج البلاغۃ)

اسی کا ہے اور جب چوپایوں کے پاس جاؤ تو تسلط رکھنے والے اور سخت گیری کرنے والے شخص کی طرح نہ جاؤ اور نہ چوپاؤں کو بھڑکاؤ۔ اور نہ ڈراؤ اور ان کے مالک کو رنجیدہ نہ کرو۔ اور مال کے دو حصے کرو۔ پھر مالک کو اختیار دو کہ جو حصہ چاہے لے اور جو حصہ وہ لے اس میں تعرض نہ کرو پھر باقی کے دو حصے کرو پھر مالک کو اختیار دو۔ پس جب وہ ایک حصہ لے لے تو جو حصہ وہ لے اس میں تعرض نہ کرو۔ اسی طرح کرتے رہو یہاں تک کہ اتنا مال باقی رہ جائے جتنا کہ اس کے مال میں خدا کا حق ہے۔ پس اس سے خدا کا حق لے لو۔ اور اگر وہ اس تقسیم کو فسخ کرانا چاہے تو اس کو فسخ کر دو۔ پھر سب کو ملا کر جس طرح پہلے کیا تھا ویسے ہی کرو۔ یہاں تک کہ اس کے مال میں سے خدا کا حق لے لو۔"

وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

"اور کہتے ہیں کہ یہ بس کان ہی (کان) ہیں (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ (کان تو ہیں مگر) تمہاری بھلائی (سننے) کے کان ہیں کہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین (کی باتوں) کا یقین رکھتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ان کے لئے رحمت اور جو لوگ رسول خدا کو ستاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

ایک مرتبہ منافقین اپنے مقام پر آنحضرت کی بابت کچھ نامناسب باتیں کہہ رہے تھے ان میں سے ایک شخص بولا کہ خاموش رہو مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہاری باتوں کی اطلاع ان کو نہ ہو جائے۔ اس پر ایک منافق جلاس بن سوید نے کہا کہ اگر ہماری باتیں ان کو معلوم بھی ہو جائیں گی تو کیا ہوا برابر ایسا ہی ہوتا رہتا ہے کہ جب کسی بات کی خبر ان تک پہنچ جاتی ہے تو ہم فوراً جا کر قسم کھا لیتے ہیں۔ کہ ہم نے ایسا نہیں کہا تو وہ اس کو مان لیتے ہیں۔ وہ تو فقط "اذن سامعة" ہیں یعنی ہر ایک کی بات سن کر قبول کر لیتے ہیں۔ اس آیت میں منافقوں کی اسی گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی کے ذریعہ

آنحضرت کو اُن کی مخفی باتوں کی اطلاع ہو جاتی تھی جو منافقین کے خاص جلسوں میں ہوا کرتی تھیں۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ (۱) إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ (۲) إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

"اور اگر تم ان سے پوچھو (کہ یہ کیا حرکت تھی) تو ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت (دل لگی بازی) کر رہے تھے۔ تم کہو کہ ہائیں کیا تم خدا سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسولؐ سے ہنسی کر رہے تھے۔ عذر نہ کرو (تم) ایمان لانے کے بعد یقیناً کافر ہو گئے اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں کو معاف کر دیں تو کچھ لوگوں پر عذاب (بھی) کریں گے کیونکہ وہ یقیناً مجرم ہیں"

(۱) یہ آیت مع آیہ سابقہ اس امر کو بتاتی ہے کہ منافقین نے طعن و استہزا کے طور پر کوئی نامناسب بات کہی تھی۔ اکثر مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ مسلمانوں کی فوج لیکر جنگ روم کے لئے روانہ ہو گئے تو چلتے منافقین بیٹھے رہے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر کہتے تھے۔ کہ بھلا ان لوگوں میں یہ دم ہے کہ شام کو فتح کر لیں۔ اور اس عالیشان قلعوں اور قصروں کو قیصر ایسے زبردست بادشاہ سے چھین لیں۔ پس جب مراجعت کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے باز پرس کی تو ڈر گئے کہ کہیں ان کی دلی باتوں کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی سورہ نازل نہ ہو جائے ورنہ بڑی فضیحت ہوگی۔ لہذا یہ عذر کرنے لگے کہ ہم نے محض مزاح و مذاق کے طور پر وہ بات کہی تھی درحقیقت طعن یا استہزا مقصود نہ تھا۔ اسی کا ذکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

(۲) "کفرتم بعد ایمانکم" کے معنی یہ ہیں کہ کیا تم اظہار ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟ اور یہ سوال زجر و توبیخ کے طور پر اس لئے کیا گیا کہ وہ منافقین آنحضرتؐ کے پاس اپنے کو مومن ظاہر کرتے تھے۔

(۳) ان استہزا کرنے والوں میں ایک شخص مخشی بن حمیر تھا جس نے ہنسنے میں دوسروں کا ساتھ دیا۔ کوئی بات خود نہیں کہی تھی۔ اور بعد میں صدق دل سے ندامت کیساتھ توبہ و عذر کا اظہار کر رہا تھا باقی سب کے سب محض جھوٹا عذر پیش کر رہے تھے، قلوب ان کے نفاق سے خالی نہیں ہوئے تھے۔ اسی پر خدا نے ارشاد فرمایا ان نعف عن طائفۃ

منکم الخ یعنی اگر تم میں سے ایک شخص کی خطا معاف بھی کر دیں تو ہم دوسروں کو ضرور سزا دیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے جرم پر نادم نہیں ہیں۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۚ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ

"یہ منافقین خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (کوئی بری) بات نہیں کہی [illegible]نکہ ان لوگوں نے کفر کا [illegible] کہا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور جس بات پر قابو [illegible] انکے اسے ہاں بیٹھے"

واقدی اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلعم جنگ تبوک سے مراجعت فرما رہے [illegible] تو ایک جماعت منافقین نے باہم یہ مشورہ کیا کہ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چھپکر بیٹھ رہیں، اور جب آنحضرتؐ ادھر سے گذریں تو اچانک حملہ کرکے قتل کر دیں چنانچہ بارہ منافقین ایک گھاٹی میں آکر چھپ رہے۔ ادھر جبرئیل امین نے آپ کو خبر دی اور کہا کہ کسی کو اس گھاٹی کی طرف بھیجدیجئے کہ ان کو دیکھ آئے چنانچہ آپ نے حذیفہ کو جو اس وقت ساتھ تھے بھیجا۔ وہ گئے مگر کسی کو پہچان نہ سکے۔ کیونکہ سب کے سب اپنے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو آپ نے سوال کیا کہ تم نے کس کس کو پہچانا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔ تب آپ نے ان کو ہر ایک کے نام بتائے۔ حذیفہ بولے کہ ہم کو اجازت ملے تو ان سب کو قتل کر آئیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوگا تو اہل عرب یہی کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کرا دیا۔ یہ چرچا مجھے گوارا نہیں۔ اسی واقعہ کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝

"پھر ان سے ان کے خمیازہ میں اپنی ملاقات کے دن (قیامت) تک ان کے دل میں (گویا خود) نفاق ڈالدیا اسی وجہ سے ان لوگوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے"

مقصود یہ ہے کہ جب خدا نے اپنا فضل ان کو عطا کیا اور اس پر بھی وہ نفاق سے باز نہ آئے اور بخل کو راہ دیکر اپنے سابق عہد سے اعراض کر گئے۔ تو ہم نے دنیا میں ان کو یہ سزا دی کہ توبہ سے محروم کر دیا۔ جس سے تا قیامت ان کے دلوں سے نفاق دور نہیں ہو سکتا۔ چونکہ توفیق توبہ کا سلب کر لینا خداوند عالم کا فعل ہے اور وہی بقائے نفاق کا باعث ہوا لہذا اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور اپنا ہی فعل قرار دیا۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ

سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ "(اے رسول) خواہ تم ان (منافقوں) کے لئے مغفرت کی دعا مانگو یا ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگو (ان کیلئے برابر ہے) تم ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا مانگو گے تو بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا"

یہ آیت اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ آنحضرتؐ نے منافقین کے لئے استغفار کیا تھا۔ بلکہ مقصود منافقین کے جرم کی شدت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور حاصل آیت یہ ہے کہ ان لوگوں کا جرم اتنا سنگین اور ناقابل عفو ہے کہ اگر تم بھی اون کے لئے مغفرت طلب کرو ایک بار نہیں بلکہ ستر بار بھی تب بھی ہم ان کو معاف نہ کریں گے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ "اور نہ انہیں لوگوں پر کوئی الزام ہے جو تمہارے پاس آئے کہ تم ان کے لئے سواری بہم پہنچا دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس (تو کوئی) سواری موجود نہیں کہ تم کو اس پر سوار کر دوں۔ تو وہ لوگ (مجبوراً) واپس گئے اور (حسرت و افسوس سے) اس غم میں کہ ان کو خرچ میسر نہ آیا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے"

جب تمام اہل اسلام کو جنگ تبوک کے لئے تیار ہو جانے کا حکم عام نافذ ہوا تو جماعت انصار میں سے کچھ لوگ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس سواریاں ہیں اور نہ زادراہ۔ اگر اس کا انتظام کر دیا جائے تو ہم چلنے کو تیار ہیں۔ حضرتؐ نے فقط ایک شخص ابن عمر کو ایک سواری جو بچی ہوئی تھی عطا فرمائی اور باقی لوگوں سے عذر فرمایا کہ اب کوئی سواری باقی نہیں رہی۔ مجبوراً وہ لوگ محزون و گریاں واپس چلے گئے۔ انہیں لوگوں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

ختم شد جزو دہم

قیمت حصہ چہارم دو روپے

maablib.org